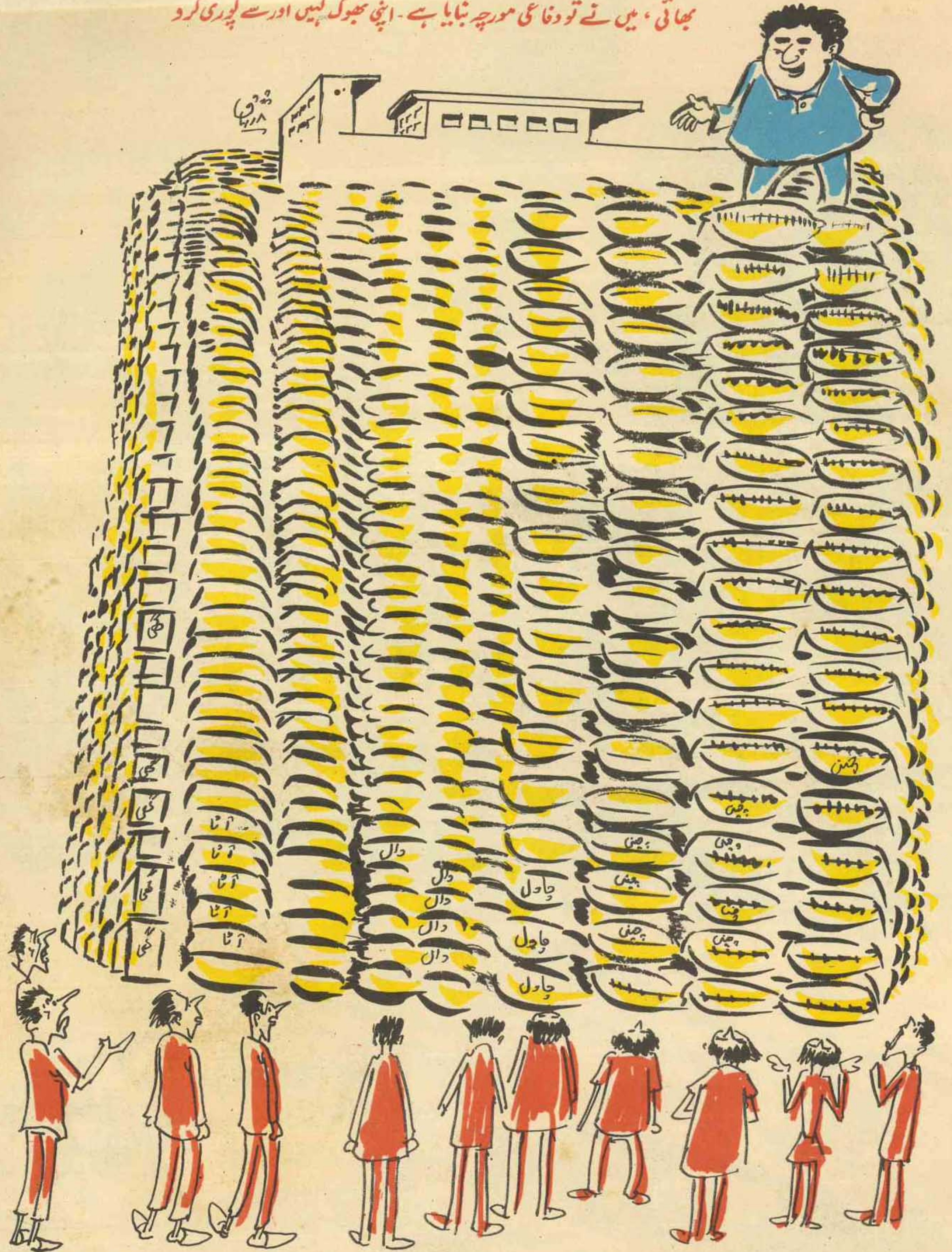
ہفت روزہ
الفتح
کراچی

جاگ رہا ہے پاکستان


بھائی، میں نے تو دفاعی مورچہ بنایا ہے۔ اپنی بھوک کہیں اور سے پوری کرو
گھی
آٹا
دال
چاول
چینی

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ
الفتح
کراچی

جلد :— ۲ شمارہ :— ۲۹

۲ — ۹ دسمبر ۱۹۷۱ء

نگران
شوکت صدیقی
محمود شام

مدیر
ارشاد راؤ

معاونینِ خصوصی
ابراہیم جلیس، افضل صدیقی، عبدالحمید چھاپرا

مجلسِ ادارت
وہاب صدیقی - نعیم آروی

آرٹ ایڈیٹر
غلام نبی برمی

سرورق :— اقبال غرقی

بدلِ اشتراک

	فی پرچہ	سالانہ	ششماہی
	۵۰ پیسے	۲۵ روپے	۱۳ روپے
ہوائی ڈاک سے	۷۵ پیسے	۳۰ روپے	۱۶ روپے

بحرین، کویت :- ۶۰ فلس دوبئی قطر : ۷۵ درم
سعودی عرب : ۱۵ قرش - انگلستان ۲ شلنگ ۶ پنس

مقامِ اشاعت
ہفت روزہ الفتح ۸۷ ڈی، نرسری کمرشل ایریا
پی، ای - سی - ایچ - ایس کراچی - ۲۹

ایڈیٹر پبلشر :- ارشاد راؤ
مطبع حقی آفسٹ پریس، لیاقت آباد - کراچی

عکاس :— الطاف رانا

کون محبِ وطن! کون غدار

صدرِ مملکت نے ہنگامی حالات کے بعد مغربی پاکستان کے دو صوبوں بلوچستان اور شمال مغربی سرحدی صوبے کی اکثریتی نمائندہ سیاسی جماعت نیشنل عوامی پارٹی پر وطن دشمنی، بیرونی دشمن سے سازباز کرنے اور اندرونِ وطن بغاوت کی حوصلہ افزائی کرنے کے الزامات لگا کر پابندی عائد کردی ہے اس کے دفاتر سربمہر کئے جاچکے ہیں۔ بعض رہنماؤں کی گرفتاریاں عمل میں آچکی ہیں۔ اور مزید کارروائی جاری ہے۔

"الفتح" کو یہ فخر حاصل ہے کہ جب پورے ملک میں انتخابات کا چرچا تھا۔ جمہوریت کی بحالی کا پراپیگنڈہ زوروں پر تھا۔ پارلیمانی نظام کے ذریعے عوام کی مشکلات حل کرنے کے وعدے کئے جارہے تھے۔ عوام کو باور کرایا جارہا تھا۔ کہ وہ پرچیوں کی بدولت نظام بدل دیں گے۔ تو ہماری جانب سے یہ نعرۂ مستانہ بلند ہوا "انتخابات سے مسائل حل نہیں ہوں گے"۔ اس پر یہ مؤقف بھی سنائی دیا کہ یہ درست ہے کہ انتخابات سے نظام تبدیل نہیں ہوسکتے۔ لیکن پاکستان کے عوام جو ۲۴ سال سے جمہوریت (مغربی) سے بھی محروم ہیں۔ انہیں انتخابات کے بائیکاٹ پر آمادہ نہیں کیا جاسکتا۔ انہیں اس عمل سے گزرنے کا موقع ملنا چاہیئے۔ جب وہ عملی طور پر اس تلخ تجربے سے دوچار ہوں گے، تو پھر وہ جان لیں گے کہ حقیقت کیا ہے۔ یہ موقف پاکستان کے حالات کی روشنی میں انتہائی معقول تھا۔

عام انتخابات دسمبر ۱۹۷۰ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ ملک کے اکثریتی صوبے مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ واحد نمائندہ جماعت کے طور پر سامنے آئی۔ مغربی پاکستان میں مجموعی طور پر پاکستان پیپلز پارٹی کو اکثریتی جماعت کا مقام ملا۔ تاہم اس جماعت کو چار صوبوں میں سے پنجاب اور سندھ میں واضح اکثریت ملی۔ جبکہ سرحد اور بلوچستان میں نیپ (ولی خان) اکثریتی جماعت کی حیثیت سے اُبھری۔ انتخابات کے ان نتائج سے سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور نوکر شاہی پر اوس پڑ گئی اُن کے اوسان خطا ہو گئے۔ ان کے سرمائے اور طاقت کے سہارے پر چلنے والی نام نہاد دائیں بازو کی تمام جماعتیں پٹ گئیں۔ ان کی صفوں میں کہرام مچ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ کہ ان کے بقول بے شعور، ان پڑھ اور بے وقوف عوام اتنا بڑا فیصلہ دے دیں گے۔

جیتنے والی جماعتوں میں مشترک امور یہ تھے۔ روٹی، کپڑے اور مکان کی ضمانت جاگیرداروں سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کے مظالم کا خاتمہ، کھیت کسان کے اور ملیں مزدوروں کی، سوشلزم کا اقتصادی نظام، ان مشترک اقدار پر کامیاب ہونے والی جماعتوں کا وجود سامراجی نظام کی بقاء کے لئے مستقل نہ سہی عارضی چیلنج ضرور تھا۔ اقتدار پر براجمان ہونے کے بعد ان جماعتوں کو عوام کے سامنے جوابدہ ہونا پڑتا۔ اور یہ جماعتیں بلاشبہ بعض ایسے اقدامات کرتیں، جن سے عوام کا اعتماد حاصل رہتا۔ ان اقدامات کا براہ راست حملہ جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کے مفادات پر ہوتا۔

ان حالات میں دو واضح دھڑے بن گئے۔ ایک دھڑا وہ ہے، جو انتخابات میں مار کھانے کے باوجود بہت ہی طاقت ور ہے۔ وہ جاگیردار، سرمایہ دار اور نوکر شاہی پر مشتمل ہے۔ وہ مکمل طور پر ملکی ذرائع پیداوار، غیر ملکی امداد پر قابض ہے۔ اس کی بقاء کا تمامتر دارومدار سامراجی نظام پر ہے۔ اس کا کاروبار "مزید قبضے" پر قائم ہے۔ اس کے مقابلے میں عوام کا اعتماد حاصل کرنیوالی سیاسی جماعتیں دوسرے دھڑے کے طور پر سامنے آئیں۔ ان کا وجود انتخابات کے

دوران کئے گئے وعدوں پر کچھ نہ کچھ عمل درآمد باقی رہ سکتا تھا۔ دونوں میں واضح طور پر اپنی اپنی بقاء کے تضادات جنم لے چکے تھے۔ ان تضادات نے ابتداء میں اعصابی جنگ کی صورت اختیار کی۔ اسے ستم ظریفی کہیئے، عوامی لیگ کی قیادت نے انتخابات میں بھاری جیت کو انقلاب سمجھ لیا، اور سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور نوکر شاہی کی طاقت کے مقابلے میں اپنی اندرونی اور بیرونی طاقت کے نشے میں بدمست ہوگئی، یہ غیر سائنسی سوچ اور عمل تھا۔ نتیجتاً عوامی لیگ پر پابندی لگ گئی۔ سنہرے کھیتوں اور پدما کی رنگت خونی ہوگئی۔ آج بھی ملک کے اُس حصّے سے آتے والی ہوائیں سینہ چیر کر رکھ دیتی ہیں۔ اس حصے میں ان دنوں جماعت اسلامی کا سرکاری راج قائم ہوچکا ہے۔ اس جماعت کو عام انتخابات میں ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا، پہلے اُسے وزارتیں ملیں، پھر اس کے رضا کار مسلح ہوئے اور بلا مقابلہ انتخابات میں اس کے وارے نیارے ہوگئے۔

مشرقی پاکستان میں اس سیاسی کامیاب تجربے کے بعد دائیں بازو نے مغربی پاکستان کا رُخ کیا۔ "نیپ پر پابندی لگاؤ" بھٹو انتقال اقتدار کا مطالبہ کرکے وطن دشمنی اور غداری کا مرتکب ہو رہا ہے۔ بڑے بھائی کے بعد چھوٹے بھائی کی باری ہے۔ مجیب اور بھٹو میں کوئی فرق نہیں"۔ لفافے کھلتے رہے اخبارات میں ان جماعتوں کے خلاف محاذ قائم ہوگیا۔ یوں معلوم ہونے لگا کہ منتخب جماعتوں میں سے کوئی بھی وطن پرست نہیں، حالات کا یہ رُخ نشاندہی کر رہا تھا، کہ اب مغربی پاکستان کی باری ہے یہاں بھی جماعت اسلامی، قیوم لیگ اور دوسری الابلا سیاسی جماعتیں راتوں رات مسندِ اقتدار پر براجمان ہوجائیں گی۔

ایک دن "جسارت" (جماعت اسلامی کے ترجمان) میں خبر شائع ہوئی کہ مرکز میں قومی حکومت کا اعلان آج ہوجائے گا جماعت اسلامی کے دو وزیر پروفیسر غلام اعظم اور عبدالغفور ہوں گے، نورالامین وزیر اعظم، بھٹو وزیر خارجہ — یہ خبر بتا رہی تھی کہ حالات کیا رُخ اختیار کرچکے ہیں۔ کیا ہونے والا ہے بھٹو صاحب کے لئے ابھی چوائس کی گنجائش رہنے دی گئی ہے اسے اتفاق کہیئے کہ اس روز قومی حکومت کا تو اعلان نہیں ہوا لیکن نیپ پر پابندی عائد ہوگئی بھٹو صاحب نے شاید چوائس کو تسلیم نہیں کیا۔ ان کے بارے میں دائیں بازو کے عزائم ڈھکے چھپے نہیں۔ وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں؟ اس بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ تاہم دایاں بازو انہیں بھی غدار اور وطن دشمن قرار دے چکا ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ یہ عوام اور مفاد پرست طبقوں کے درمیان جنگ ہے۔ عوام نے جو فیصلہ دیا اور جسے دائیں بازو کے رہنماؤں نے غلط فیصلہ قرار دیا تھا۔ حالات کے سہارے لے کر اپنے موقف کو عملی شکل دی جارہی ہے۔ پارلیمانی نظام کا جو طریق کار ہوتا ہے۔ اس کو بھی اختیار نہیں کیا جاتا۔ اسمبلی کا اجلاس اگر منعقد ہوجائے تو اس سے بہت سے مراحل طے ہو جائیں گے۔ اسمبلی جیسی بھی ہے اس میں عوام کے کچھ تو باقاعدہ نمائندے موجود ہیں۔ کوئی فیصلہ بھی ہو ان کے ذریعے ہو تو اس کو قانونی حیثیت حاصل ہوگی اور عوام کا اعتماد بھی ہوگا۔ اسمبلی کے انعقاد تک اگر ایسے مزید فیصلے نہ کئے جائیں تو عوام مزید بحران کا شکار نہ ہوں گے۔

ظاہری خبریں اندرونی کہانیاں

صدر نکسن — شیخ مجیب کی رہائی کے لئے ذاتی اپیل کرینگے؟

عشو و شام

پاکستان کے ازلی دشمن نے مقدس سرحدوں پر فوجیں کھڑی کر دی ہیں۔
مشرقی پاکستان پر دشمن بھرپور حملہ کر چکا ہے
صدر نے نیشنل عوامی پارٹی کے تمام دھڑوں پر پابندی عائد کر دی ہے۔

ملک کے اندر ایک عجیب تذبذب کی فضا ہے مغربی پاکستان کے عوام مشرقی پاکستان کے عوام کے جذبات سے بے خبر ہیں کیونکہ مشرقی پاکستان کے عوام کے باقاعدہ نمائندوں سے کوئی رابطہ نہیں ہے اس وقت مشرقی پاکستان کے جو نام نہاد لیڈر یہاں موجود ہیں انہیں اپنے علاقے کے جذبات کا بھی علم نہیں ہے۔ جہاں تک بھارتی جارحیت کا تعلق ہے عوام اس کے خلاف پوری طرح متحد ہیں عوام اور تمام محب وطن حلقے اس حقیقت کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی نیا نظام لانا ہے یا نئے تجربات کرنے ہیں، تو اسی ملک کی حدود میں کرنے ہیں۔ اگر خدانخواستہ ملک کی حدود کو کچھ ہو گیا تو انقلاب کہاں لایا جا سکے گا اور کہاں نظام بدلا جا سکے گا۔ یہ حقیقت ہم بارہا واضح کر چکے ہیں کہ اگر ہم خود انتشار اور کمزوری کا شکار نہ ہوتے تو ہمارے دشمن کو اس جارحیت کا موقع نہ ملتا، وہ ہمیں اندرونی طور پر کمزور دیکھ کر ہم پر چڑھ دوڑا ہے۔ سیاسی اختلافات کس ملک میں نہیں ہوتے، لیکن جب غیر ملکی دشمن سے مقابلہ درپیش ہو تو اندرونی اختلافات ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے بیرونی دشمن ہماری اندرونی صفوں میں اختلافات پیدا کرنے میں بھی کامیاب ہو چکے ہیں۔ وقت آئے گا کہ ان تمام طاقتوں کو بے نقاب کیا جائے گا۔ جو ملک کو ان حالات تک لے کر آئی ہیں۔

فوجی حکومت کے تین سال عوام کی ملکی معاملات سے لاتعلقی اور بیوروکریسی کی اجارہ داری کے بدترین ایام ہیں۔ عوام کی براہ راست حکومت میں شرکت نہ ہونے، انتہائی اہم اقدامات کرنے سے پہلے عوام کو اعتماد میں نہ لینے کے سبب آج ہم یہ صورت حال دیکھ رہے ہیں کہ ۱۹۶۵ء کے سے حالات ہونے کے باوجود ۱۹۶۵ء کے سے جذبات نہیں ہیں، اسی لئے یہ خبریں پڑھنے میں آتی ہیں کہ ہنگامی حالات کا اعلان ہوتے ہیں روزمرہ کی ضروریات کی قیمتیں بڑھا دی گئی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ براؤن آرٹ کی پابندی نہ کرنے پر سزا دی جائے گی۔

عوام نے جن قوتوں پر اعتماد ظاہر کیا، وہ سامنے سے ہٹائی جا رہی ہیں، بیوروکریسی اور مفاد پرست طبقے کا اتحاد ملک میں عوام کی بات کو چلنے نہیں دے رہا ہے اور طرح طرح سے رکاوٹیں پیدا کی جا رہی ہیں کہ عوامی حکومت قائم نہ ہو سکے بیرون ملک بیوروکریسی کی مشینری نے ملک کی ساکھ ختم کر کے رکھ دی ہے۔ اندرون ملک صورتحال یہ ہے کہ مشرقی پاکستان، بلوچستان اور سرحد اپنی اکثریتی پارٹیوں کی قیادت سے محروم ہو چکے ہیں، سندھ اور پنجاب کو ابھی اپنی اکثریتی پارٹی کی قیادت میسر ہے سات جماعتوں کے اتحاد کے ذریعے تمام شکست خوردہ عناصر عوام سے انتقام لینے کے لئے جمع ہو چکے ہیں۔ عوام اقتصادی پریشانیوں کا شکار ہیں۔ عوام بھارتی جارحیت کا جواب دینا چاہتے ہیں مگر انہیں کوئی اعتماد میں تو لے۔

بیرون ملک ہمیں صرف چین کی حمایت حاصل ہے مشکل پڑے تو ہم چین کی طرف بھاگتے ہیں۔ لیکن ۱۹۶۵ کے بعد سے لے کر اب تک ہم نے چین کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا۔ الیکشن کے دوران جن جماعتوں نے چین کے عظیم رہنما ماؤزے تنگ کے خلاف انتہائی ناگوار باتیں کیں، انہیں الیکشن میں ہار جانے کے باوجود وزارتیں مل گئیں اور ہماری بیوروکریسی تمام مغربی طاقتوں کا رویہ جانتے ہوئے ان کے آگے کشکول لیے پھر رہی ہے

امریکہ میں پاکستانی سفیر نے کتنا شرمناک بیان دیا ہے کہ "امریکہ جس طرح چاہئے اور جو چاہے، ہم وہ فیصلہ قبول کر لیں گے ایسے بیانات کس حد تک ڈپلومیسی کے معیار پر اترتے ہیں جن سے دوسری طاقتوں کی اہمیت خاک میں مل جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ منتخب حکومت نہ ہونے کے باعث ہمارے موقف کی کوئی حیثیت نہیں ہے اندرا گاندھی کی بڑی طاقتوں سے ملاقاتوں کے بعد ان طاقتوں نے اور پاکستان دشمن رویہ اختیار کر لیا ہے بھارت روس گٹھ جوڑ فوجی معاہدے میں بھی ظاہر ہو چکا ہے صدر پوڈگورنی نے اب پھر پہلے جیسا خط صدر یحییٰ کے خط کے جواب میں لکھا ہے روس کے اخبارات اس وقت واضح طور پر بھارتی موقف کی حمایت کر رہے ہیں ان کا دباؤ یہی ہے کہ شیخ مجیب کو رہا کیا جائے۔ روس نے بھارت کو جو فوجی امداد دی ہے، اس سے بھارت بدمست ہو گیا ہے۔ بھارت نے گذشتہ چھ برس میں بے حد فوجی تیاری کی ہے۔ امریکہ کے ساتھ ساتھ اسے روس سے بھی اسلحہ مل گیا ہے۔ اور ڈپلومیسی میں بھی منتخب حکومت ہونے کے باعث اس کی بات اونچی رہی ہمارے ہاں بیوروکریسی یہ تاثر پھیلا رہی ہے کہ امریکہ ہمارا ساتھ دے رہا ہے۔ نیویارک ٹائمز نے حالیہ اشاعت میں لکھا ہے کہ وائٹ ہاؤس میں اس بات پر غور کیا جا رہا ہے کہ سیکیورٹی کونسل میں پاک بھارت فوجی کشیدگی کم کرنے کی تجویز پیش کی جائے اور دوسرے صدر نکسن کی طرف سے صدر یحییٰ خان کے نام ایک ذاتی اپیل ہے جس میں شیخ مجیب الرحمن کی رہائی پر زور دیا گیا ہے۔ یہ اپیل اندرا گاندھی کی ملاقات کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ ادھر پاکستان میں بھارت کے نئے ہائی کمشنر مسٹر اٹل اپنی اسناد سفارت پیش کرنے کے فوراً بعد جب نئی دہلی لوٹے تو اس پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نمائندہ مقیم راولپنڈی مسٹر آرنلڈ زیٹلین نے اٹل سے ملنے کے بعد جو رپورٹ

اندرا گاندھی نے صدر یحییٰ کے ذاتی پیغام کے جواب میں کیا کہا؟

بھیجی اس میں بتایا گیا ہے کہ اندرا گاندھی نے صدر یحییٰ کے دوستی کے پیغام کے بدلے میں جو پیغام بھیجا ہے۔ اس میں پھر یہی کہا ہے کہ آپ شیخ مجیب الرحمٰن سے بات کریں۔ اور مشرقی پاکستان کا مسئلہ وہاں کے منتخب نمائندوں کے ذریعے حل کریں۔ یہ دن ہمیں بیوروکریسی نے ہی دکھائے ہیں کہ ہر طرف سے پاکستان کو گھیرے میں لیا جا رہا ہے۔ ۱۲ کروڑ بہادر افراد کی قوم بھارت کی ننگی جارحیت کا شکار ہے بیرونی ممالک کی مخالفانہ ڈپلومیسی کا سامنا کر رہی ہے۔

ایسے میں کالعدم عوامی لیگ کے دو غیر اہم ارکان، اسمبلی ڈھاکے سے صدر کی دعوت پر اسلام آباد آ کر صدر سے ملتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ ہم نے صدر سے عوامی لیگ سے پابندی اٹھانے اور شیخ مجیب کی صحت کے سلسلے میں بات کی ہے۔ اس کے فوراً بعد وہ امریکی سفیر، فرانسیسی سفیر اور برطانوی سفیر سے ملنے چلے جاتے ہیں۔ غیر ملکی سفیروں سے ملنے کا آخر کیا جواز ہے جن لوگوں کی اپنی جماعت میں کوئی حیثیت نہیں ہے ان کا صدر مملکت سے ملنا اور عوامی لیگ سے متعلقہ مسائل پر بات کرنے کا کیا مقصد ہے۔

ڈھاکے میں مشرقی پاکستان کے کمانڈر لفٹیننٹ جنرل نیازی نے پریس کانفرنس کی جس میں انہوں نے کہا کہ جہاں تک میرا تعلق ہے مکمل جنگ شروع ہو چکی ہے یہ پریس کانفرنس بی بی سی سے ۲۷ نومبر کو صبح آٹھ بجے کے بلیٹن سے دوپہر تک کے بلیٹنوں میں نشر ہوئی۔ مگر مغربی پاکستان کے کسی اخبار یا ایجنسی نے یہ خبر نہیں دی۔ کچھ اخبارات میں بی بی سی کے حوالے سے یہ خبر شائع ہوئی بیوروکریسی نے کوئی توجہ نہیں دی کہ اگر کسی ٹیکنیکل خرابی کی وجہ سے پریس کانفرنس بروقت مغربی پاکستان نہیں پہنچ سکی تو اسے جاری کروایا جاتا۔

ہمارے سفارت خانے پہلے ہی کبھی اپنے فرائض صحیح طور پر انجام نہیں دیتے تھے لیکن اب نام نہاد بنگلہ دیش کے لئے علیحدگی اختیار کرنے والے عملے کی وجہ سے بعض مقامات پر کام بالکل نہیں ہو رہا ہے جنوب مشرقی ایشیا کے سفارت خانوں میں تو بہت برا حال ہے۔ کہیں صرف سفیر صاحب ہیں ایک دو کلرک، کہیں ہیڈ کلرک سفارت خانے کے انچارج ہیں کہیں فرسٹ سیکرٹری کام چلا رہے ہیں۔ ان خالی جگہوں کو فوراً پر کرنا چاہیئے ملک میں بے شمار افراد بے روزگار ہیں۔ محب وطن اور باصلاحیت افراد کو لیا جائے جو وطن کا وقار بلند کر سکیں۔

یہ ہماری بیرونی صورت حال ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چین کے علاوہ تمام غیر ملکی طاقتیں پاکستان کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر رہی ہیں۔ جنگ سے پہلے ہی کسی "معاہدہ تاشقند" کے لئے میدان ہموار کیا جا رہا ہے۔ بیرونی طاقتوں اور ان کے ایجنٹوں کی کوشش یہی ہے کہ ۲۷ دسمبر کو قومی اسمبلی کے اجلاس ہونے سے پہلے پہلے "معاہدہ تاشقند" کے لئے فضا سازگار ہو جائے۔ بیرونی طاقتیں اپنی مرضی کا سیاسی حل ہم پر ٹھونس دیں۔ اس کے لئے بھارت فوجی دباؤ ڈال رہا ہے۔ امریکہ روس سیاسی دباؤ ڈال رہے ہیں اور ہماری بیوروکریسی اسی تذبذب اور فیصلہ نہ کر سکنے کی کیفیت کا شکار ہے۔

اب ان لوگوں کی بھی آنکھیں کھل گئی ہیں جو کہتے تھے کہ غیر ملکی جارحیت کے وقت صرف فوجی حکومت ہی موزوں رہ سکتی ہے اب سب حلقے یہ محسوس کر رہے ہیں کہ سول حکومت ناگزیر ہو گئی ہے کیونکہ تمام جمہوری ملک جمہوری حکومت سے ہی باقاعدہ بات کرتے ہیں اور دشمن سے مسلح تصادم سے پہلے کچھ ملکوں کی فوجی اور کچھ ملکوں کی سفارتی یقین دہانی ضروری ہوتی ہے۔ ان کی روشنی میں کسی بہت بڑی کارروائی کا فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

مفاد پرست طاقتیں اب چاہتی ہیں کہ بھارت کی طرف سے مغربی پاکستان پر بھی جارحیت کا خطرہ کھڑا کیا جائے، تاکہ یہاں اسمبلی منعقد نہ ہونے پائے اور انتقال اقتدار میں مزید تاخیر ہو، ملک مزید کمزور ہو اور پھر یہاں کے عوام کو دبانا آسان ہو جائے گا اس وقت حالات نے یہی رخ اختیار کر رکھا ہے ملک میں مزید انتشار پیدا کرنے کے لئے ملک کے اندر بھی شیخ مجیب الرحمٰن کی رہائی کی بات بڑے زور سے چل رہی ہے تاکہ اس کے رہا ہونے کے امکانات سے مغربی پاکستان میں کشیدگی پیدا ہو۔

آئے کسی میں جرأت ہے تو

(الفتح کے ایک ننھے دوست عابد رضا (عمر چھ سال) نے جنگ کی خبریں سن کر اپنے ہاتھ سے یہ شعر لکھ کر بھیجے ہیں۔ یہ ننھا دوست ہماری نئی نسل کا نمائندہ ہے دشمن اندرونی اور بیرونی نوٹ کرلیں)

(ادارہ)

ہم بجلی ہیں طوفان ہیں ہم
فولادی دیوار ہیں ہم
جو قدم بڑھائے دشمن نے
ہم کاٹیں گے ناپاک قدم
بزدل نے جو ٹکر لی تو ہم
ناک چنے چبوائیں گے
ہم ننھے منھے غازی ہیں
ہم دشمن پہ چھا جائیں گے
جنگ ہوئی تو آگے بڑھ کے
کاری ضرب لگائیں گے

عابد رضا۔ بریلی ہاؤس
ناظم آباد نمبر ۲

بھارت اور پاکستانی عوام

کراچی کے عوام کے جذبات کا جائزہ



محمد اسمٰعیل جاوید



صابر حسین



ایس اے قریشی

بھارت کو بھی ماریں گے اور اپنے اندرونی دشمنوں کو بھی

نمائندہ الفتح

۱۹۶۵ء کے بعد ایک بار پھر برصغیر پاک و ہند کی سرحدوں پر جنگ کے مہیب بادل منڈلا رہے ہیں۔ توپوں کے دہانے کھل چکے ہیں زمین کے سینے پر لہلہاتی کھیتیاں اجاڑنے کا مکروہ عزم لئے بم برسانے والے فوجی طیارے فضا میں چکر کاٹ رہے ہیں۔ رائفلیں مشین گنیں دشمن کی تاک میں ہیں جنگ کی ہولناکیاں دیہی اور شہری آبادی کو تاراج کرنے کی ہوس میں سرعت سے آگے بڑھ رہی ہیں پاکستان کے پسے ہوئے مظلوم عوام بیرونی جارحیت اور داخلی استحصال کے شکار ہیں۔ وہ اپنی بقا کی جنگ میں ہیں کراچی کا نچلا درمیانہ اور محنت کش طبقہ اپنی جگہ خلوص، دیانت اور سرگرمی سے سوچ رہا ہے کہ اسے ایک بار پھر ایک ایسے موڑ پر پہنچا دیا گیا جہاں اسے اپنے گھر اپنے کھیت روٹی روزگار عزت و آبرو کے تحفظ میں باہر نکلنا پڑے گا۔ اگر اسے جنگ کرنی پڑی تو اس کی یہ جنگ بیک وقت بیرونی جارحیت اور اندرونی استحصال پسندوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ ہوگی۔ بھارت کا حکمران ٹولہ پاکستانی عوام کے علاوہ اپنے ملک کے غریب عوام کو بھی آزمائش میں ڈالنے پر کمر بستہ ہے۔

بھارتی جارحیت سے عوام میں پیدا ہونے والے ردعمل کے بارے میں جب نمائندہ الفتح نے نئی کراچی کے ایک دکاندار سلامت علی بیگ سے سوال کیا تو اس نے جواب دیا" بھارت ۶۵ کی جنگ کی شکست کا بدلہ لینا چاہتا ہے۔ اس نے مشرقی پاکستان پر حملہ کیا۔ عوام میں اس کے خلاف غم و غصہ ہے وہ بھارتی حملے کا منہ توڑ جواب دینا چاہتے ہیں۔ مگر ۱۹۶۵ کی جنگ کے برعکس اس بار وطن دشمنوں، سرمایہ داروں اور اسٹاکسٹوں نے عوام کو اندرونی طور پر کمزور کرنے کے لئے پہلے ہی سے انہیں معاشی محاذ پر الجھا دیا ۶۵ میں اشیاء پر قیمتیں نہیں بڑھائی گئی تھیں عوام اس محاذ سے بے فکر ہو کر بھارت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔"

ٹی مسلم لیگ نمبر ۹ کے نائب چیئرمین یعقوب علی خان نے اپنے تاثرات لکھواتے ہوئے کہا۔ "بھارتی جارحیت کا موثر جواب دینے کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ اقتدار عوام کے جائز منتخب نمائندوں کو فوری طور پر منتقل کر دیا جائے۔ اس طرح بھارتی پروپگنڈے کا منہ بھی بند ہو جائے گا۔ بھٹو ایک منجھے ہوئے ڈپلومیٹ ہیں۔ انہیں موقع ملنا چاہئیے کہ وہ اس نازک موقع پر قوم کی رہنمائی کر سکیں۔"

منگھو پیر کے ایک کارخانے میں کام کرنے والے مزدور عزیز احمد نے بڑے اکھڑ لہجے میں جواب دیا۔ "اصل میں جنگ فوج نہیں عوام لڑتا ہے۔ ہمارے کو حوصلہ ہے کہ بھارت کو مار مار کر بھگا دیویں۔ مگر پہلے یہ بھی تو دیکھو ہمارا آٹا کا کنستر خالی ہو گیا ہے ہمارے کو آٹا دلاؤ۔ خدا قسم ہم اندرا مائی اور اس کے چمچوں کا اتنا پٹائی کرے گا کہ وہ پھر کبھی ادھر کو منہ نہیں کرے گا۔ اب تم دیکھو نا ادھر ہنگامی حالت کا اعلان ہوا ادھر آٹے اور چینی کی چور بازاری شروع ہو گیا ملک پر ایسا وقت ہے اور یہ سالا لوگ پیداگیری میں لگا ہے۔ لعنت ہے، ان پر۔"

نمائندہ الفتح نے جب اس سے یہ سوال کیا کہ فرض کرو، تمہیں آٹا نہیں ملتا اس وقت تمہارے جذبات کیا ہوں گے؟ اس نے کسی تذبذب کے بغیر اسی انداز میں جواب دیا" خدا قسم اپن لوگوں نے اس زمین کے لئے بڑی قربانیاں دی ہیں اگر بھوکے پیٹ لڑائی کا وقت آگیا تو لڑے گا۔ مگر ایک بات سن لو بھارت والوں سے بھی لڑے گا اور ادھر اپنے ملک میں جو چور اور ڈاکو بستا ہے اس کو بھی مارے گا۔ دونوں ہمارا دشمن ہے۔"

فارن پوسٹ کے ایک ریٹائرڈ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ایس اے قریشی نے بتایا" جنگ بہر حال کوئی اچھی بات نہیں نقصان دونوں کا ہوگا۔ بہت ممکن ہے کہ جب دونوں طرف خوب نقصان ہو جائے تو بڑی طاقتیں اپنی چودھراہٹ قائم رکھنے کے لئے صلح صفائی کرائیں۔ اس میں ایک بات دیکھنی ہے کہ یہ جنگ کون مسلط کر رہا ہے بھارت نے ۱۹۶۵ میں بھی ہم پر جنگ مسلط کی تھی، مگر اسے منہ کی کھانی پڑی اسے بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا وہ ۶۵ کی شکست کا بدلہ لینا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس نے آہستہ آہستہ

"ملک پر کڑا وقت آیا ہے اور تاجر لوگ پیداگیری میں لگا ہے"

اپنی طاقت میں بے پناہ اضافہ کیا، اسلحہ جمع کیا۔ ادھر مشرقی پاکستان کی صورت حال سے بھی اسے فائدہ اٹھانے کا موقع مل گیا۔ اب وہ پاکستان سے بھرپور جنگ چھیڑنے کے بہانے تلاش کر رہا ہے۔ اس جنگ سے اگر پاکستان کے عوام متاثر ہوں گے۔ تو بھارت کے مظلوم عوام بھی روٹی روزگار سے جائیں گے۔ دونوں ملکوں میں افلاس اور بیروزگاری میں اضافہ ہوگا۔ بھارت کے بالادست طبقے نے اس نازک لمحے میں سوجھ بوجھ کا ثبوت نہ دیا تو پھر تنگ آمد بجنگ آمد سر تا کیا نہ کرنا۔ عوام لڑیں گے اور بھارتی حملے کا بھرپور جواب دیں گے ہمیں جنگ سے قبل جنگ کے دوران اور جنگ کے بعد معاشی میدان میں زبردست توجہ دینی پڑے گی۔ مہنگائی اب ہے۔ جنگ کے دوران اور جنگ کے بعد سرمایہ دار طبقہ مہنگائی میں مزید اضافہ کرے گا مطلب پرستوں کی بن آئے گی۔ ہمیں ان کی سرکوبی کا پہلے سے انتظام کرنا ہوگا۔"

سماجی کارکن صابر حسین نے کہا "بھارت نے ہمارے وجود کو ابھی تک تسلیم نہیں کیا۔ حالانکہ پاکستان خواب سے نکل کر ایک ٹھوس حقیقت بن چکا ہے۔ اگر بقال اور بنیوں کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر انہیں زندہ رہنے کا حق ہے تو ہمیں بھی اس کا حق پہنچتا ہے۔ مگر وہ خود زندہ رہنا چاہتے ہیں اور ہمیں موت کے منہ میں دھکیلنا چاہتے ہیں دنیا کا کوئی اخلاقی قانون ان کی اس سوچ کو جائز اور منصفانہ قرار نہیں دے سکتا یہ سیدھی سی بات ہے۔ اگر کوئی ملک ہمیں مٹانے کی کوشش کرے گا تو ہم قدرتی طور پر اپنی بقا کے لئے جنگ لڑیں گے لڑیں گے۔ لڑیں گے۔ اور آخری دم تک لڑیں گے ہمارے ہاتھ اپنی مدافعت میں اٹھیں گے۔ انہیں کوئی نہیں روک سکتا۔ اگر ہم جارحیت کریں تو بے شک ہمارا ... ہاتھ پکڑ لیا جائے۔"

کراچی یونیورسٹی کے نوجوان طالب علم محمد اسمٰعیل جاوید نے بڑے جوشیلے انداز میں جواب دیا "مشرقی پاکستان پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے۔ اس میں بھارت کو مداخلت کا حق نہیں پہنچتا۔ یہ عوام کا مسئلہ ہے کیا حق ہے اور کیا ناحق اس کا فیصلہ بھی پاکستان کے عوام ہی کریں گے بھارت کو اس کا بہانہ بنا کر ہم پر جنگ مسلط کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اس جنگ سے دونوں ملکوں کے مظلوم عوام کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ہمیں بھارت اور اس کی مسلط کردہ جنگ کی ڈٹ کر مخالفت کرنی چاہیئے۔ اگر بھارت اس سے بھی باز نہ آیا تو پھر ہمیں بھی میدان میں اترنا پڑے گا۔"

محمد اسماعیل جاوید نے میرے دوسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا "اگر بھارت نے بڑے پیمانے پر جنگ شروع کی تو اس ملک کا ہر نوجوان طالب علم اپنے عزیز وطن کی سوندھی سوندھی مٹی کے تقدس کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا دے گا۔"

لالوکھیت میں ایک چھوٹے سے بک اسٹال کے مالک رئیس الحسن نے جواب دیا "آدھی جنگ نظم و ضبط سے جیتی جاتی ہے مگر مجھے افسوس کے ساتھ اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس ملک کے استحصالی طبقہ نے اندرونی طور پر نظم و ضبط کا بیڑا غرق کر دیا۔ دیکھئے نا ہمیں حقائق سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہیئے۔ ایمرجنسی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ملک کا نظم و نسق برقرار رہے ادھر ہنگامی حالات کا اعلان ہوا، ادھر خورد و نوش

بنگالی ہمارے

بھائی ہیں۔ ہم

اپنا تنازعہ

خود حل کریں گے

کی چیزوں پر قیمتیں بڑھا دی گئیں آٹے کی ایک بوری جو کل تک ۵۳ روپے میں ملتی تھی، اب اس کی قیمت ۶۵ روپے تک بڑھا دی گئی۔ شکر پہلے ۲ روپے سیر تھی ایمرجنسی کے بعد ڈھائی روپے سیر ہوگئی۔ ملوں سے اچانک آٹا غائب ہوگیا۔ لوگ پریشانی کے عالم میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ دراصل ملک کو کمزور کرنے کی ایک گھناؤنی سازش ہے یہ سازش اس ملک کے سرمایہ دار طبقے نے کی ہے یہ طبقہ ہرگز ایسا نہیں جس پر اعتبار نہ کیا جائے۔ اس نازک گھڑی میں اس نے اپنے آپ کو ننگا کر دیا۔ عوام کو اس طرف الجھا کر دشمن کو فائدہ اٹھانے کا موقع دیا گیا۔"

مقامی کالج کی ایک طالبہ نزہت ادانے کہا "بنگالی عوام ہمارے بھائی ہیں۔ ہم اپنا تنازعہ خود حل کریں گے۔ بھارت کو چاہیئے کہ وہ ہمارے درمیان میں سے ہٹ جائے بلاوجہ وہ مسئلے کو پیچیدہ اور سنگین بنا رہا ہے آخر وہ جنگ سے کیا فائدہ اٹھانا چاہتا ہے کیا جنگ کی صورت میں دونوں ملکوں میں تباہی نہیں پھیلے گی۔ اس کے دل میں عوام کا بڑا درد ہے، کیا جنگ کی صورت میں دونوں ملکوں کے عوام پر جو مصائب اور پریشانیاں آئیں گی، ان سے وہ خوش ہوگا۔ جنگ بہت بری چیز ہے۔ اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۶۵ کے اثرات ابھی تک ختم نہیں ہوئے۔ اور پھر ایک نئی جنگ آخر بھارت کیا چاہتا ہے۔ میں تو آخری دم تک اپنے وطن کی دفاع کروں گی میری طرح سینکڑوں طالبات بھی یہی عزم رکھتی ہیں کیا بھارت کو ہمارے عزائم کا پتا نہیں۔ جنگ نہ ہی ہو تو اچھا ہے۔"

پاکستان پیپلز پارٹی کے نوجوان کارکن سید امیر حسین شاہ نے کہا "اگر بھارت نے غلطی سے جنگ چھیڑ دی تو ہم اندر اور باہر دونوں جگہوں میں لڑیں گے سرحدی محاذ پر بھارت سے اور داخلی محاذ پر ظالم سرمایہ داروں اور جاگیرداروں سے جو اس نازک لمحے میں بھی عوام دشمنی سے باز نہیں آتے مزدوروں کی چھانٹیاں کی جا رہی ہیں، کسانوں کو ان کے کھیتوں سے بیدخل کیا جا رہا ہے۔ اشیاء خورد و نوش پر قیمتیں بڑھائی جا رہی ہیں یہ استحصالی طبقہ بھارت سے کم خطرناک اور کمینہ فطرت نہیں ہے۔ اندر سے ہماری پیٹھ میں خنجر بھونک رہا ہے۔ بھارت اپنی سرحدوں میں توسیع کر کے اکھنڈ بھارت کا خواب پورا کرنا چاہتا ہے، جب کہ ملک و قوم کے اندرونی دشمن اس نازک دور میں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر کے اپنی دولت میں اضافہ کرنے کا شرمناک خواب دیکھ رہے ہیں۔ وہ اپنی ان حرکتوں سے عوام کو

باقی صفحہ ۴۳ پر ملاحظہ فرمائیں



بھارت خون کا بدلہ خون اور گولی کا جواب گولی سے گونج رہا ہے

وہاب صدیقی

بلاشبہ برصغیر کے عہد غلامی میں استحصالی نظام کا کرتا دھرتا انگریز تھا۔ لیکن اس نے ایک نئے ملکی طبقے کو اپنے مفادات کے لئے تقویت دی اور یہ طبقہ تھا۔ تو دو لیتے بنیوں اور مارواڑیوں کا مشہور ڈپلومیٹ پانیکار لکھتا ہے۔

"یورپی اقوام کے تجارتی مرکزوں کے قیام کی وجہ سے ہندوستانی ساحلی علاقوں پر ایک طاقتور ہندوستانی سرمایہ دار طبقہ وجود میں آیا۔ جس کے غیر ملکی تاجروں سے گہرے روابط تھے۔ اور وہ ان کے ساتھ تجارتی لین دین سے خوب فائدہ اٹھاتا تھا۔ مثال کے طور پر شروع ہی میں سورت میں اس طبقے نے بڑی اہمیت حاصل کر لی تھی، جس کا ذکر ایسٹ انڈیا کمپنی کے کاغذات میں ملتا ہے۔۔۔۔"

آہستہ آہستہ برطانوی راج میں بنیئے نے اتنا دائرہ اثر بڑھایا کہ برک کو برطانوی پارلیمنٹ میں کہنا پڑا۔ "بنیا انگریز کے گھر کا منتظم ہوتا ہے۔ وہ تمام چالبازیوں، فریب کاریوں اور عیاریوں سے واقف ہوتا ہے، جو مظالم سے بچنے کے لئے ایک غلام استعمال کر سکتا ہے۔ بنیا لوٹتا ہے۔ استحصال کرتا ہے۔ غارتگری کرتا ہے۔ اور پھر اس میں جس قدر مناسب سمجھتا ہے، اپنے صاحب کو بھی دے دیتا ہے ان بنیوں نے بڑے بڑے گھر برباد کر دیئے ہیں۔ ملک برباد کر دیا ہے اور سرکاری مالیہ کو نقصان پہنچایا ہے" برک نے رام چند نامی ایک بنیئے کی مثال دی جو ساٹھ روپے کا ملازم تھا مگر اس نے ساڑھے بارہ کروڑ روپے کا ترکہ چھوڑا۔

بنیا فرنگی حکمرانوں کی مدد و تعاون سے سرمایہ دار، اجارہ دار سرمایہ دار اور گماشتہ سرمایہ دار بنا۔ فرنگی حکمرانوں اور ملکی گماشتہ سرمایہ داروں کی بدولت ہندوستان سامراج کا ایک مضبوط قلعہ اور گڑھ بن گیا۔ بین الاقوامی پرولتاری انقلاب کے لئے ہندوستان کو سامراجی محکومی سے نجات دلانا نہایت ضروری ہو گیا چنانچہ عظیم لینن نے کہا۔

"عالمی پرولتاری انقلاب کی کامیابی کے لئے ایشیا کے تین بڑے علاقوں کی سامراج سے آزادی ضروری ہے، روس، چین اور ہندوستان۔"

ہندوستان کے گماشتہ سرمایہ داروں نے اس برصغیر کی مظلوم قومیتوں کا نہ صرف معاشی استحصال کیا، بلکہ اپنی زبان ثقافت اور رسم و رواج کو بھی جبری طور پر مسلط کر دیا۔ ان گماشتوں کا کہنا تھا کہ ہندوستان ایک وحدت ہے۔ زبان ثقافت ایک ہونی چاہیئے۔ یہ استحصالی عناصر مہاروسیوں کی پالیسی پر گامزن تھے، ہندوستانی گماشتہ سرمایہ داروں کے ان ہی اقدامات کے مدنظر ۱۹۲۴ء میں اسٹالن نے کہا تھا۔

آج کل ہندوستان کا تذکرہ ایک کل وحدت کے طور پر کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر ہندوستان میں انقلابی تحریک چلی تو بہت ساری ایسی قومیتیں منظر عام پر ابھر آئیں گی جو اس وقت گمنامی میں پڑی ہوئی ہیں۔

جیسے جیسے ہندوستانی گماشتہ سرمایہ دار ترقی کرتے گئے۔ گمنامی کے پردے میں پڑی ہوئی مختلف قومیتیں بیدار ہوتی گئیں۔ تقسیم ہند کے بعد بھارت کی قومیتوں میں قومی خود مختاری کا احساس اور بڑھ گیا۔ اس بڑھتی ہوئی بیداری کو روکنے کے لئے مختلف حربے استعمال کئے گئے، گاندھی ازم کا سہارا لیا گیا۔ آہنسا کا فریب دیا گیا۔ نہرو نے ہندوستانی سوشلزم کے ذریعے انقلابی جدوجہد کو روکنے کی کوشش کی۔ مغربی پارلیمانی طریقہ کار اپنایا اور غیر ملکی معاشی امداد سے ملک کی معیشت کو مستحکم کرنے کی ناکام کوشش کی، اور جب ان اقدامات کے باوجود قومیتوں کے حق خود اختیاری اور پرولتاری انقلابی تحریکات جاری رہیں، تو ٹاٹا اور برلا ایسے گماشتہ سرمایہ داروں کی نمائندہ بھارتی حکومت نے جبر و تشدد، پولیس اور فوجی اقدامات کے ذریعے کچلنے کی کوشش کی۔

بھارت کے ۴۷ اضلاع

انقلابیوں کی زد میں

بھارت کے مندرجہ ذیل اضلاع میں گوریلا جنگ ہو رہی ہے نکسل باڑی بھارتی رجعت پسند حکمرانوں اور استحصالی طبقوں پر پرتابڑ توڑ حملے کر رہے ہیں۔ مشرق کی ہوا مغرب پر غالب آ رہی ہے۔

کانگڑہ، ہوشیارپور، جالندھر، بھٹنڈہ، نیگروٹ، پٹیالہ، روپڑ، نینی تال، مراد آباد، لکھیم پور کھیری، پورنیا، چمپارن، مظفر پور، دار بھنگا، مونگھیر دارجیلنگ، جلپائی گوڑی، گولپارا، مغربی دیناجپور مالدہ، تری پورہ، مرشد آباد، بیربھوم، پرولیا بردوان، نادیہ، ہوگلی، پرگنہ، ہوڑہ، مدناپور سنگھم، گنجام، کوراپٹ، وساکھاپٹنم، مشرقی گوداواری، مغربی گوداواری، کرشنا، گنٹور، نیلور، اننتاپور، کیرالہ، کنیاکماری، تامل ناڈو، تنجور آندھرا پردیش، سریکاکولم۔

چارو مجمدار کی قیادت میں کسان عظیم ماؤ کے افکار سے لیس ہیں

آیئے اب بھارت میں چلنے والی حق خود اختیاری اور پرولتاری تحریکوں کا جائزہ لیں۔

ناگالینڈ

یہ آسام کے پہاڑی علاقہ میں واقع ہے، ناگا قبائل کو بورژوا پارلیمانی اور لادینی ریاست کا خوشنما اور خوبصورت گلدستہ پیش کیا گیا، پارلیمانی راہ عمل کو عوامی مسائل کا حل تبلایا گیا، لیکن بڑھتی ہوئی نفع اندوزی، عوام کی کھال کھینچنے کا رجحان، بھارت کی دولت کے بیشتر حصے کا گماشتہ نوکر شاہی اور سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں ارتکاز، پبلک سیکٹر کا غیر ملکی اجارہ سرمایہ داروں اور ملکی سرمایہ داروں کے مفاد کے لئے استعمال، کاشت کاروں پر جبر و تشدد اور لوٹ کھسوٹ روا رکھنے کی کھلی آزادی نے ثابت کر دیا کہ بھارت کا نظم و نسق بڑے زمینداروں، نوکر شاہی اور گماشتہ سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہے اور عوام کی شرکت محض ایک ڈھونگ ہے۔

ناگا قبائل نے حکمران طبقے اور گماشتہ سرمایہ داروں کی لوٹ کھسوٹ سے نجات پانے کے لئے حق خود اختیاری کی تحریک شروع کی اور علیحدہ صوبہ بنانے کا مطالبہ کیا۔ اس تحریک کو کچلنے کے لئے بھارتی حکمرانوں نے فوجی اقدامات کئے۔ عوام پر گولیاں برسائی گئیں اور دار و رسن کی آزمائشوں میں ڈالا گیا۔ ناگا قبائل نے اپنے مطالبے کے حصول کے لئے گوریلا جنگ شروع کر دی۔ اور بھارتی فوج کو زبردست جانی و مالی نقصان پہنچایا۔ آخر کار بھارتی حکومت نے مجبور ہو کر پہاڑی علاقوں پر مشتمل الگ صوبہ بنایا۔ لیکن اس سے ناگا قبائل کا مطالبہ پورا نہیں ہوا۔ اس صوبے میں بھارت سرکار نے اپنے ایجنٹوں کی حکومت قائم کر دی، ناگا کے عوام اب بھی اپنے حق خود اختیاری کے لئے مسلح جدوجہد کر رہے ہیں۔

تلنگانہ تحریک

تلنگانہ سابق ریاست حیدرآباد کے جنوبی علاقوں پر مشتمل ہے یہ جنگلات سے ڈھکا ہوا ہے، بارش بھی خوب ہوتی ہے، یہاں کی سب سے بڑی پیداوار چاول ہے عوام تیلگو اور تامل زبانیں بولتے ہیں۔ تقسیم برصغیر سے پہلے یہاں کے عوام نے صوبہ بنانے کا مطالبہ کیا تھا۔ مگر بات گفت و شنید سے آگے نہ بڑھ سکی۔ آزادی کے بعد اس مطالبہ کو دوبارہ حکومت کے سامنے پیش کیا گیا۔ لیکن اس نے کوئی توجہ نہ دی۔ ۱۹۵۸ء میں بھارت کے چیف جسٹس ہدایت اللہ کی صدارت میں بھارتی حکومت نے مختلف صوبوں کی دوبارہ حد بندی کے لئے ایک کمیشن بنایا۔ اس وقت پھر تلنگانہ کا مسئلہ سامنے آیا۔ علیحدہ صوبے کے قیام کے لئے تحریک بھی چلی، لیکن مطالبہ تسلیم نہیں کیا گیا۔

۱۹۶۷ء کے انتخابات کے بعد یہاں انڈین کمیونسٹ پارٹی کا زور بڑھنے لگا۔ عوام میں طبقاتی شعور پیدا ہوا۔ اور یہ تحریک نہایت توانا اور مضبوط ہو گئی، ۱۹۶۹ء میں اس تحریک میں جتنی سختی اور شدت آئی اس کی مثال بھارت کی آزادی کے بعد کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ۱۹۶۹ء میں تلنگانہ کے عوام نے زبردست تحریک چلائی، مظاہرے کئے، مظاہروں کے دوران ایک بجلی گھر ایک ریلوے اسٹیشن، متعدد ڈاکخانوں اور سرکاری عمارتوں کو نذر آتش کر دیا گیا، تار اور ٹیلیفون کی لائنیں کاٹ دی گئیں، مراد آباد اور وجے واڑہ میں پانچ ریلوے پلوں کو اڑا دیا گیا۔ اس علاقے میں

بھارت میں کچلے ہوئے
عوام نے گوریلا جنگیں
شروع کر دی ہیں

ریل گاڑیوں کی آمد و رفت کئی دن تک معطل رہی، حیدرآباد ورنگل اور اسکندرآباد فوج کے حوالے کر دیئے گئے، قتل و غارت گری ہوئی۔

مسز اندرا گاندھی تلنگانہ پرجا سمیتی کے لیڈروں سے بات چیت کرنے کے لئے حیدرآباد گئیں اور امن کی اپیل کی۔ اس اپیل کا الٹا اثر ہوا، اور اس دن انتہائی شدید مظاہرے ہوئے کہ پولیس اور فوج نے حیدرآباد میں پانچ مرتبہ اور اسکندرآباد میں دو مرتبہ فائرنگ کی جس میں سات افراد ہلاک اور لاتعداد زخمی ہوئے۔ اس کے بعد بھارتی وزیر داخلہ مسٹر چون حیدرآباد گئے اس دن حیدرآباد اور اسکندرآباد کے صنعتی مزدوروں نے مکمل ہڑتال کی۔ تلنگانہ پرجا سمیتی کے رہنماؤں نے مسٹر چون کے سامنے بھی مطالبہ پیش کیا کہ تلنگانہ کا علیحدہ صوبہ بنایا جائے، آندھرا پردیش کی موجودہ اسمبلی توڑ کر صوبہ میں صدر راج قائم کر کے آندھرا پردیش اور تلنگانہ کے الگ الگ صوبوں میں از سر نو انتخابات کرائے جائیں۔

گو ابھی تک بھارتی حکومت نے تلنگانہ کے عوام کا مطالبہ تسلیم نہیں کیا، لیکن بالآخر اسے جھکنا پڑے گا، کیونکہ عوام کے سامنے سر جھکایا نہ جائے تو عوامی قوت اسے جھکنے پر مجبور کر دیتی ہے

نکسل باڑی

نکسل باڑی تحریک بھارت کی سب سے منظم، باشعور اور انقلابی تحریک ہے، جو انڈین کمیونسٹ پارٹی (مارکسی لیننی) کے سرخ پرچم تلے اور چیئرمین ماؤزے تنگ کے افکار سے مسلح ہو کر بھارتی حکمرانوں اور استحصالی طبقوں پر بجلی بن کر گر رہی ہے اس کے قائد چارو مجمدار ہیں، جن کا کہنا ہے۔

"غریب اور بے زمین کسانوں پر اعتماد رکھو، انہیں فکر ماؤزے تنگ کی تعلیمات دو اور مسلح جنگ کے راستے پر عزم رکھو، گوریلا دستے بنا کر طبقاتی دشمنوں کا خاتمہ کر دو۔"

یہ تحریک ضلع دارجیلنگ کے ایک دیہات نکسل باڑی کے نام سے موسوم ہے۔ نکسل باڑی رہنماؤں کا خیال ہے کہ ہندوستان کے مظلوم عوام کے دشمن سامراج، جاگیردار اور زمیندار ہیں۔

سامراج ایک جانور ہے جس کے پاؤں دیہات میں ہیں، اور سر شہروں میں، اگر تم اس کے سر کو ٹھوکر لگاؤ گے تو یہ بھاگ جائے گا۔ اور تمہارے قابو میں نہیں آئے گا۔ لیکن اگر اس کے پاؤں توڑ دو گے تو اس کا سر کچلنے میں آسانی ہوگی۔" چنانچہ اسی تجزیے کے پیش نظر انہوں نے نکسل باڑی تحریک کا آغاز دیہاتوں سے کیا کامریڈ چارو مجمدار نے ہندوستانی معاشی اور سماجی حالات کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ "غریب اور بے زمین کسان پر انحصار کرو، متوسط درجے کے کسانوں کو اپنے ساتھ ملاؤ، امیر کسانوں کو غیر جانبدار بناؤ۔ اور جاگیرداروں پر وار کرو۔"

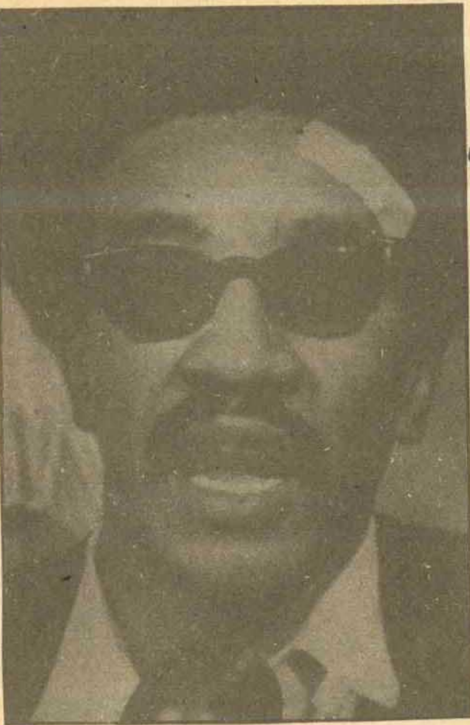
اس تحریک کی ابتداء ۱۹۶۷ء میں ہوئی۔ دارجیلنگ میں نمایاں کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ پرولتاری انقلاب کی اس چنگاری نے بھارت کے مختلف علاقوں کے انقلابی کمیونسٹوں کو عوامی جنگ کا راستہ دکھایا۔ ۱۹۶۸ء میں مسلح اور گوریلا جنگ پر یقین رکھنے والے انقلابیوں نے اپنی جدوجہد ایک دوسرے سے مربوط کر دیا۔ اتحاد سے انقلاب کی یہ چنگاری جنوب میں سریکاکولم اور شمال میں مشاہری اور لکھم پور کھیری تک پھیل گئی ہے اور استحصالی طبقوں پر برق بن کر گر رہی ہے اس وقت

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیے

سرمایہ دار معاشرے کا دوسرا رُخ

امریکی سیاہ فام

آزادی کے لیے خون بہا رہے ہیں



نیگرو انقلابی رہنما ریپ براون

نعیم آروی

نیویارک کے ایک قدرے سنسان علاقے میں ایک چھوٹا سا بار کھلا ہوا ہے بار کے اوپر ایک تنگ سا کمرہ ہے، جس میں ہلکے پاور کے بلب جل رہے ہیں۔ کمرہ کا دروازہ اندر سے بولٹ ہے تین نیگرو انقلابی رہنما کسی مسئلے پر بات چیت کر رہے ہیں ان کا لہجہ دھیما مگر پُرجوش ہے ان میں انقلابی رہنما ایچ ریپ براون بھی ہے وہ ۱۷ ماہ سے لاپتہ ہے زیر زمین کام کر رہا ہے امریکی پولیس کو اس کی سخت تلاش ہے آتنے عرصے میں وہ کئی شہروں میں چھاپہ مار چکے ہیں مگر انہیں سخت ناکامی ہوئی ایف بی آئی اور سی آئی اے والے شہر شہر کی خاک چھانتے رہے، مگر نیگرو رہنما براون کی گرد تک نہ پا سکے۔ انہیں اچانک مخبر نے اطلاع دی کہ براون اس وقت اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ بار کے اوپر والے کمرے میں موجود ہے۔

امریکی پولیس نے انتہائی خاموشی اور رازداری سے اس علاقے کو گھیر لیا۔ پولیس رائفل مشین گن اور خطرناک ترین اسلحے سے لیس ہے امریکی حکام سے انہیں اس بات کی اجازت مل گئی ہے کہ براون کو گرفتار کرنے میں اگر اس علاقے کو مسمار کرنے کی نوبت پہنچے تو وہ اس سے بھی گذر جائیں براون نیگرو انقلابی رہنما، سخت خطرناک آدمی ہے۔ سیاہ فاموں کی آبادی اور خود مختاری کی بات کرتا ہے۔ سفید فاموں کی طرح سیاہ فاموں کے لئے عزت اور وقار سے زندہ رہنے کا حق مانگتا ہے بندوق کی بات کرتا ہے امریکہ میں بھونچال لانے کی دھمکی دیتا ہے خطرناک ترین آدمی ہے"۔

کمرہ میں براون اپنے ساتھیوں سے گفتگو میں مصروف ہے اچانک دروازے پر زبردست ٹھوکر لگی اور چند زوردار دھکوں سے دروازہ ایک تیز چرچراہٹ کے ساتھ زمین پر گر گیا اس سے قبل کہ براون اور اس کے دو ساتھی مقابلے کے لئے تیار ہوتے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا گیا۔

"خبردار اگر تم میں سے کوئی اپنی جگہ سے ہلا تو بے دریغ گولی ماردی جائے گی"۔

براون پر اس دھمکی کا کوئی اثر نہ ہوا، وہ اپنی رائفل کی طرف لپکا ایک مسلح پولیس کے پستول سے سنسناتی ہوئی گولی نکلی اور براون کی پیشانی کو چھیلتی ہوئی نکل گئی براون پر امریکی پولیس چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور اسے بے بس کر دیا گیا براون نے چلا کر کہا،

"تم میرے ہاتھوں اور پیروں میں لوہے
کی بیڑیاں ڈال دو، میرے جسم کو فولاد
کے پنجرے میں قید کر دو میری زبان،
کاٹ ڈالو مگر میں زندگی کی آخری سانس
تک انقلاب انقلاب کا گیت گاتا



انجیلا ڈیوس



ہائی نیوٹن



جارج جیکسن



ایلڈریج کلیور



فریڈ ہمپٹن

زندگی کے آخری سانس تک انقلاب کا گیت گاتا رہوں گا

رہوں گا"۔

نیگرو رہنما براون ۱۹۷۰ سے ایف بی آئی کی "فہرست" پر تھا۔ اس کی زبردست تلاش تھی ۱۹۷۰ ہی میں اسے گرفتار کیا گیا۔ اس پر الزام تھا کہ اس نے میری لینڈ میں فساد کروایا تھا ضمانت پر رہائی کے بعد وہ اچانک غائب ہو گیا۔ امریکی پولیس اُسے سرگرمی سے تلاش کرتی رہی مگر وہ گرفتار نہ ہوا تا آنکہ گذشتہ ماہ ایک مخبر کی اطلاع پر ایک بار کی بالائی منزل سے گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا گیا۔

امریکہ میں ان دنوں نیگرو انقلابی رہنماؤں کو دھڑا دھڑ گرفتار کیا جا رہا ہے بیشتر رہنما جیلوں میں سڑ رہے ہیں یا جلا وطنی کی زندگی گذار رہے ہیں انہیں جیلوں میں جان سے مار دیا جاتا ہے اور اعلان کر دیا جاتا ہے کہ "فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا"۔

اب ذرا ان نیگرو انقلابی رہنماؤں کی زندگی کے مختصر حالات سنیئے، جنہیں امریکی حکومت "آزادی" مانگنے کے جرم میں باغی اور قاتل قرار دے کر ان پر بے پناہ مظالم ڈھا رہی ہے ۔

ایلڈریج کلیور

"سول آن آئس" جیسی شہرہ آفاق کتاب کا مصنف ہے تین سال قبل اسے اکلینڈ پولیس پر فائرنگ کے الزام میں گرفتار کیا گیا جب اسے پیرول پر رہا کیا گیا تو وہ فرار ہو کر الجزائر پہنچ گیا۔ اب اس نے وہیں سے دھماکہ خیز اعلان کیا ہے کہ "امریکہ پہنچتے ہی اسے گرفتار کر لیا جائے گا پھر بھی وہ شہری چھاپہ مار بن کر واپس لوٹے گا"۔

انجیلا ڈیوس

خاتون انقلابی رہنما انجیلا ڈیوس فلسفے کی استاد ہیں۔ ان دنوں جیل میں ہیں ان پر قتل کا الزام لگا دیا گیا ہے الزام میں کہا گیا ہے کہ انہوں نے سان رافیل کلیفورنیا، کی مارین کاونٹی کورٹ ہاؤس جیل پر حملہ کر کے سیاہ فام قیدیوں کو چھڑانے کی سازش کی تھی۔

جارج جیکسن

جارج جیکسن کی عمر ۲۹ سال کی ہے وہ عالمگیر شہرت کی کتاب سولڈیڈ برادر کا مصنف ہے یہ کتاب جیکسن کے خطوط پر مشتمل ہے جیل میں عمر قید کی سزا بھگت رہا ہے ۔ اس پر مزید ایک الزام جڑ دیا گیا ہے سان کوئنٹین جیل سے فرار ہونے کی کوشش میں اس نے ایک سفید گارڈ کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ یہ الزام بھی دوسرے الزامات کی طرح سراسر بے بنیاد اور جھوٹ ہے۔

فریڈ ہمپٹن

۲۱ سالہ ہمپٹن بلیک پنتھر کا ابھرتا ہوا ایک زبردست انقلابی رہنما تھا شکاگو شاخ کا سربراہ تھا دو سال قبل شکاگو پولیس نے اسے اور اس کے دوسرے ساتھیوں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ سیاہ فاموں کے دل آج بھی اس کے لئے دھڑکتے ہیں۔

ہی نیوٹن

۲۹ سالہ نیوٹن بلیک پنتھر کا لیڈر ہے اکلینڈ کی فائرنگ کے الزام میں اسے گرفتار کیا گیا اور ڈھائی سال سے زائد عرصہ تک اسے جیل میں اذیتیں پہنچائی گئیں وہ بلیک پنتھر کا ڈیفنس منسٹر ہے گذشتہ سال اسے پچاس ہزار ڈالر کی ضمانت پر رہا گیا دو ماہ قبل وہ چین کے دورے سے واپس آیا ہے اس کا عقیدہ ہے آزادی کوئی ایسا حق نہیں جسے سفید فام گلدستہ کی طرح پیش کر دیں۔ اس کے لئے سیاہ فاموں کو آگ اور خون کے سمندر سے گذرنا پڑے گا۔ اور سیاہ فام اس حق کو حاصل کرنے کے لیے اس سے بڑی آزمائش سے بھی گذرنے کے لئے تیار ہیں

ان کے علاوہ اور بھی بے شمار نیگرو انقلابی رہنما جیلوں میں پڑے ہیں۔ ان سب کا بس یہی قصور ہے کہ وہ اپنی قوم کے لئے آزادی اور خود مختاری کا حق طلب کرتے ہیں اور اس کے حصول کے لئے مسلح جدوجہد کے راستے پر چلتے ہیں۔ امریکی حکومت انہیں باغی خونی چور اور ڈاکو کہتی ہے اور انہیں گھناؤنے الزام میں ملوث کر کے انہیں موت کے منہ میں دھکیل دیتی ہے۔

خانِ اعظم معافی خان

اقتدار کے نشہ مست سفید ہاتھی کی طرح چنگھاڑ رہے ہیں



اقتدار کی بھوک آدمی کو کہاں تک گرا دیتی ہے

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی شراب اور اقتدار کا نشہ بہت برا ہے۔ ایک مرتبہ چسکا پڑ جائے تو چھوٹتا نہیں پھکڑ شراب مے کے لئے لوگوں کے آگے ہاتھ جوڑتا ہے پاؤں پڑتا ہے اگر نشے کی حالت میں کسی سے جھگڑا۔ بدسلوکی اور بدکلامی کی ہوتی ہے تو اس سے معافی مانگتا ہے فقط شراب کے ایک جام کے لئے ایسی ہی حالت محروم اقتدار سیاستدان کی ہوتی ہے۔ کرسی کے حصول کے لئے اپنے بدترین دشمنوں کے پاؤں کو ہاتھ لگاتا ہے گڑگڑاتا ہے اور برسر اقتدار افراد کی خوشنودی کے لئے ماضی کی بدسلوکی اور گستاخی پر اظہار ندامت کرتا ہے۔ اوروں کا ذکر چھوڑیئے "خان اعظم" "شیر سرحد" اور پاکستان مسلم لیگ کے صدر قیوم خان کو ہی لیجیے۔

قیوم خان جب صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے، تو اپنے آپ کو "خان اعظم" اور "شیر سرحد" کہلواتے تھے۔ ان کی آمریت کا یہ حال تھا کہ ایوب خاں ایسے آمر ان کے سامنے پانی بھرتے۔ ان کی مرضی کے خلاف پتہ بھی نہیں ہل سکتا تھا۔ کہتے تھے کہ اگر مجھے وزارت عالیہ سے برطرف کر دیا گیا۔ تو سرحد پاکستان سے علیحدگی اختیار کرے گا۔ "پاکستان کی سالمیت" کے نام پر ۱۲۔ اگست ۱۹۴۸ء کو بابڑہ میں جلیانوالہ باغ کی تاریخ دھرائی۔ خدائی خدمت گاروں کا منہ کالا کر کے گدھوں پر گشت کرایا گیا۔ لاشوں کو دریا کی نذر کر دیا گیا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق بابڑہ کی فائرنگ میں ساڑھے چار سو افراد ہلاک اور ہزاروں زخمی ہوئے۔ حالانکہ بابائے قوم نے واضح الفاظ میں غفار خان اور خدائی خدمت گاروں کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے منع کیا تھا۔ لیکن اقتدار کے نشے میں مست قیوم خان نے اس ہدایت پر کوئی توجہ نہ دی بابڑہ میں فائرنگ کروائی۔ غفار خاں ڈاکٹر خان صاحب قاضی عطاء اللہ خاں عبدالولی خاں اور دیگر لیڈروں کو گرفتار کر لیا۔ خان ولی خان کی بیوی اپنے شوہر سے ملاقات کرنے جیل تشریف لے گئیں وہ حاملہ تھیں۔ قیوم خانی پولیس نے ان کی حالت زار پر ذرا بھر بھی رحم نہ کھایا اور اتنے زور سے دھکا دیا کہ حمل ساقط ہو گیا۔

یہ تو قیوم خان کے عہد اقتدار کا واقعہ ہے دور اقتدار میں وہ فرعون اور نمرود سے کم نہ تھے اقتدار سے محروم کر دیئے گئے تو کراچی گے ایک ہوٹل میں قیوم خان غفار خان کے قدموں میں گر پڑے، گڑگڑا کر معافی مانگی۔ اظہار ندامت کوئی بری بات نہیں لیکن دوسروں پر الزام تراشیاں یقیناً

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمایئں

قیوم خان صدرِ قائدِ اعظم مسلم لیگ کا مُعافی نامہ

روزنامہ نوائے وقت لاہور جلد ۲۲ ہفتہ مطابق ۱۴ صفر ۱۳۸۲ھ، ۷ جولائی ۱۹۶۲ء ۲۳ ہاڑ ۲۰۱۹ ب و ۱۸۵
ٹیلیفون نمبر ۵۱ ۲۴ لاہور

عبدالقیوم خان بیرسٹر ایٹ لاء کی طرف سے رحم کی درخواست!

جو اس وقت مارشل لاء ضابطہ نمبر ۲۰ الف، اور ۲۴ کے تحت تین سال قید بامشقت کی سزا کاٹ رہا ہے اور آج کل نشتر ہسپتال ملتان میں زیر علاج ہے۔

جنابِ عالی!

(۱) میرے خلاف مارشل لاء کا مقدمہ میرے اس بیان پر قائم کیا گیا ہے۔ جو میں نے ان پولیس افسروں کے مطالبہ پر دیا تھا۔ جو میرے خلاف ایبڈو کے تحت تحقیقات کر رہے تھے۔ میں قانونی طور پر بیان دینے کا پابند تھا (۲) مارشل لاء کے نفاذ سے میں نے اپنی تمام سیاسی سرگرمیاں بند کر دی تھیں۔ میں بیمار تھا اور ذیابیطس میں مبتلا تھا۔ جب مجھے ایبڈو کے الزامات دکھائے گئے تو مجھے پتہ چلا کہ یہ وہی الزامات ہیں جو سابق گورنر جنرل غلام محمد نے باقاعدہ تحقیقات کے بعد خارج کر دیئے تھے۔ اور ان کا ایک طویل مطبوعہ فیصلہ موجود ہے جس میں انہوں نے مجھے ان الزامات سے بری کر دیا ہے۔ (۳) مجھے اعتراف کرنا پڑے گا کہ میں طیش میں آ گیا اور میں نے ان حالات میں آپ کی ذاتِ گرامی پر نکتہ چینی کی مجھے اس امر کا انتہائی افسوس ہے اور میں صدقِ دل سے آپ سے معافی کا طلبگار ہوں۔ (۴) میں نے ایبڈو ٹریبونل کو لکھ بھیجا ہے کہ میں اپنی صفائی پیش نہیں کروں گا اور میں رضاکارانہ طور پر سیاست سے کنارہ کشی ہو رہا ہوں (۵) میں ۲۸ نومبر ۶۲ء کو ڈپٹی کمشنر ملتان کے توسط سے آپ کی خدمت میں رحم کی درخواست ارسال کر چکا ہوں۔ میں نے ۲۸ نومبر ۶۲ء کو آپ کی خدمت میں ڈھاکہ اور کراچی سے بھی اسی مفہوم کی تاریں ارسال کی ہیں۔ کہ میری سزا ازراہِ ترحم معاف کر دی جائے (۶) جیل میں میری صحت بہت گر گئی ہے۔ میں خون کے دباؤ کا شکار ہو گیا ہوں اور مجھے دل کے دورے پڑتے ہیں۔ جب میں جیل سے باہر تھا تو مجھے یہ عارضے لاحق نہ تھے (۷) میری یہ حالت ہو گئی تھی کہ ۲۵ نومبر کو مجھے نازک حالت میں نشتر ہسپتال ملتان لے جایا گیا اور اب میں زیر علاج ہوں۔ (۸) میری صحت کا یہ عالم ہے کہ رہائی کے بعد بھی مجھے طویل عرصہ تک علاج کرنا پڑے گا۔ (۹) اس لیئے میری استدعا ہے کہ میری بقیہ سزا ازراہِ ترحم معاف کر دی جائے۔ جس کے لیئے میں آپ کا انتہائی ممنون ہوں گا۔

دستخط عبدالقیوم خان بار ایٹ لاء

الفتح کراچی



حسین گروپ کا خونی پنجہ

دوسری صنعتوں کے سینے میں بھی اترتا جارہا ہے

الفتح رپورٹ

پاکستان کے بدنام سرمایہ داروں میں حسین تیرھویں نمبر پر آتا ہے۔ شروع میں اس گروپ کا کاروبار صرف ٹیکسٹائل کی صنعت تک ہی محدود تھا لیکن آہستہ آہستہ دوسرے میدانوں میں بھی ان کے خونی پنجے گڑھتے چلے گئے۔ جلد ہی چٹاگانگ میں ایک عدد اسٹیل ٹیوب پلانٹ بھی لگا لیا گیا اور پھر ۱۹۶۷ء میں اپنی کاروباری سلطنت میں ایک شوگر مِل شامل کرکے حسین نے ثابت کردیا کہ قوم کا خون چوسنے میں وہ دوسرے بدنام سرمایہ داروں سے کسی بھی طرح کم نہیں ہیں۔

حسین کی کراچی اسٹاک ایکس چینج پر مندرجہ ذیل کمپنیاں رجسٹرڈ ہیں۔

۱- حسین انڈسٹریز لمیٹڈ
۲- حسین شوگر مل لمیٹڈ۔

۱۹۶۶ء میں حسین کی اکلوتی کمپنی کا سرمایہ صرف ۱۱۵ لاکھ تھا۔ لیکن اس کے اثاثوں کی مالیت ۳۰۴ لاکھ سے تجاوز کرچکی تھی۔ حسین کی پوزیشن بائیس خاندانوں کے حساب سے اکثر بدلتی رہی۔ ۱۹۵۵ء میں حسین چھٹے نمبر پر تھے۔ ۱۹۶۰ء میں انھیں تیرھویں نمبر پر دھکیل دیا گیا اور ۱۹۶۵ء میں تو وہ اٹھارویں نمبر تک آگئے لیکن ۱۹۶۹ء میں پھر دوڑ لگائی اور تیرھویں نمبر پر آگئے۔

پاکستان کے پانچسالہ منصوبوں کے دوران حسین کی ترقی کی رفتار یہ رہی۔

سال	مجموعی اداشدہ سرمایہ (کروڑوں میں)
۱۹۵۵ء	۰.۷۵
۱۹۶۰ء	۱.۰۰
۱۹۶۵ء	۱.۵۰
۱۹۶۹ء	۳.۵۰

۱۹۶۶ء تک جو اضافہ حسین کے سرمایہ میں ہوا وہ حسین انڈسٹریز کے زائد شیرز کی فروخت کی وجہ سے ہوا تھا لیکن ۱۹۶۷ء میں اداشدہ سرمایہ ایک دم آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ اور اس کی وجہ حسین شوگر مل تھی۔

دوسرے سرمایہ داروں کے برعکس حسین کے سرمایہ میں جو بے پناہ اضافہ ہوا وہ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد ہوا۔ ۱۹۵۴ء کے بعد سے حسین کے اداشدہ سرمایہ میں سال بہ سال اضافہ کی رفتار یہ رہی۔

سال	حسین انڈسٹریز	حسین شوگر	ٹوٹل
۱۹۵۴ء	۷۵	—	۷۵
۱۹۵۵ء	۷۵	—	۷۵
۱۹۵۶ء	۷۵	—	۷۵
۱۹۵۷ء	۷۵	—	۷۵
۱۹۵۸ء	۷۵	—	۷۵
۱۹۵۹ء	۷۵	—	۷۵
۱۹۶۰ء	۱۰۰	—	۱۰۰
۱۹۶۱ء	۱۲۰	—	۱۲۰
۱۹۶۲ء	۱۵۰	—	۱۵۰
۱۹۶۳ء	۱۵۳	—	۱۵۳
۱۹۶۴ء	۱۵۰	—	۱۵۰
۱۹۶۵ء	۱۵۰	—	۱۵۰
۱۹۶۶ء	۱۵۰	—	۱۵۰
۱۹۶۷ء	۱۵۰	—	۱۵۰
۱۹۶۸ء	۱۷۵	۱۷۵	۳۵۰
۱۹۶۹ء	۱۷۵	۱۷۵	۳۵۰

۱- حسین انڈسٹریز پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنی کی حیثیت

سے ۱۹۵۳ء میں معرض وجود میں آئی اور اسی سال کراچی اسٹاک ایکس چینج سے رجسٹر بھی کروائی گئی۔ یہ مل کراچی میں واقع ہے اور شروع میں اس میں ۱۰۰۰۰ سپنڈل تھے لیکن اب یہ تعداد ۳۰۱۲۸ تک جا پہنچی ہے ۷۰۰ لومز اس کے علاوہ ہیں۔

چٹاگانگ میں ایک عدد اسٹیل ٹیوب پلانٹ بھی اسی کمپنی کے زیر سایہ لگایا گیا۔ اس موقع پر اس کمپنی کا نام حسین ٹیکسٹائل ملز کی بجائے حسین انڈسٹریز کردیا گیا تاکہ یہ پلانٹ بھی اس میں شامل ہوسکے۔ مل میں جتنا سوتی دھاگہ تیار ہوتا ہے۔ وہ تقریباً سب کا سب ملکی منڈی میں ہی فروخت کیا جاتا ہے۔ بہت ہی قلیل مقدار اور وہ بھی کبھی کبھی بیرونی منڈیوں تک پہنچ پاتا ہے۔

ان دونوں میں سے صرف حسین انڈسٹریز کے متعلق کچھ تفصیلات مل سکی ہیں۔ شوگر مل پر ابھی تک تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ حسین انڈسٹریز میں ڈائریکٹروں کی کل تعداد چھ ہے جس میں سے تین حسین خاندان کے افراد ہیں۔ بڑے سرمایہ داروں میں صرف حسین کو یہ فخر حاصل ہے کہ اسے آدم جی گروپ میں بھی نمائندگی حاصل ہے۔

۱۹۵۴ سے ۱۹۶۸ء تک حسین گروپ کے منافع کی شرح ۴.۶۲ فیصد سے لے کر ۱۷.۵۰ فیصد کے درمیان گھٹتی بڑھتی رہی ہے۔ ۱۹۵۴ء اور ۱۹۶۱ء کو چھوڑ کر حسین گروپ کے منافع کی شرح ہمیشہ ۱۰ فیصد سے زیادہ رہی ہے۔ ۱۹۵۴ء میں یہ شرح صرف ۵ فیصد تھی اور اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ابھی حسین نئے نئے کاروباری دنیا میں آئے تھے۔ اور منافع کمانے کے ہتھکنڈوں سے ابھی واقف نہ ہوتے تھے۔ ۱۹۶۷ء میں منافع کی شرح صرف ۴.۶۲ فیصد رہی۔ کیونکہ اس سال شوگر مِل نئی نئی میدان میں آئی تھی۔

ریڈیو پاکستان
پشاور
پردہ چاک

اس قومی ادارے میں ہر اس شخص کو ملازمت مل جاتی ہے جس کا فنونِ لطیفہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا

انتقالِ اقتدار سے بھی اہم = ریڈیو پاکستان پشاور

اباسین

طب کی اکثر کتابوں میں حکمار نے بڑھاپے کو بھی ایک بیماری قرار دیا ہے، حکما کا ارشاد ہے کہ جب قوائے انسانی کمزور اور ڈھیلے پڑ جاتے ہیں تو نہ صرف یہ کہ انسان نت نئی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات دوا دارو کے اثر سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے آدمی دعاؤں اور معجزوں کا مرہونِ منت رہ جاتا ہے۔ حکما کا یہ ارشاد کچھ غلط بھی نہیں۔ تجربے اور مشاہدے میں بھی یہی آیا ہے کہ بڑھاپے اور سال خوردگی سے اکثر اشیا کی قدر و قیمت کم ہو جاتی ہے، بجز چند چیزوں کے مثلاً شراب، ڈاک کے ٹکٹ پرانے سکے اور عجائب گھروں میں رکھی ہوئی نادر اشیا، کہ جن کا بڑھاپا اور قدامت ہی ان کی قدر و قیمت ہے۔

ریڈیو پاکستان پشاور کے بڑھاپے کے بارے میں یہاں کے پڑھے لکھے افراد میں بے حد اختلاف ہے۔ طے نہیں ہو پاتا کہ اس کے بڑھاپے پر کس اصول کا اطلاق کیا جائے۔ کوئی تو اسے بیماری والے بڑھاپے کی کسوٹی پر پرکھتا ہے اور کوئی اسے شراب والے پیمانے سے ناپتا ہے، دلائل بھی پیش کئے جاتے ہیں۔ اور مسائل بھی زیرِ بحث لائے جاتے ہیں۔ ریڈیو پاکستان کا مسئلہ اچھا خاصا انتقالِ اقتدار کا مسئلہ بن گیا ہے نہ حل ہوتا ہے نہ حلال وہ طبقہ جس کی زندگی ہر سرکاری اور غیر سرکاری تقریب میں قدم رنجہ فرمانے کے لئے وقف ہے اور جنہیں ریڈیو پاکستان کی تقریبات میں شمولیت کا خصوصی شرف حاصل رہتا ہے ریڈیو پاکستان پشاور کو اس کی کھانستی کھنکارتی مشینوں اور پرانی عمارت کے حوالے سے موہنجو دارو اور ہڑپہ کے پائے کی چیز سمجھتے ہیں، کہتے ہیں یہ حافظ شیرازی کی شراب کہن سالہ ہے، حاتم طائی کے ہاتھ کی انگوٹھی اور سکندرِ اعظم کے گھوڑے کی نعل ہے، ڈاک کے ٹکٹوں کا حوالہ یوں نہیں دیا جاتا کہ برصغیر میں یہ نظام زیادہ پرانا نہیں پھر یہ کہ جس عہد میں ڈاک کا نظام رائج ہوا، ٹکٹوں کا رواج نہ تھا۔ ڈاک بے رنگ آتی جاتی تھی۔

ریڈیو پاکستان کے ان مفسرین کو (جنہیں اکثر پرانی شراب سے غسل تک کا شرف حاصل ہوتا ہے) اس بات پر فخر ہے کہ ریڈیو پاکستان پشاور کا تعلق پشاور کی تاریخ کے اس عہد سے ہے جب پشاور میں ایک روپے کا سولہ سیر آٹا دستیاب ہوا کرتا تھا۔ ڈالڈا ایجاد نہ ہوا تھا۔ اور اصلی گھی سوا روپے سیر فروخت ہوتا تھا۔ مفسرین کا خیال ہے کہ پچھلے تئیس چوبیس برسوں میں روپے کی قدر اور آٹے کے وزن میں جس قدر کمی واقع ہوئی ہے۔ ریڈیو پاکستان پشاور کی عظمت اور شہرت میں اتنا ہی اضافہ ہوا ہے۔ بشکم پرمفسرین کی دلیل کو اگر درست تسلیم کیا جائے تو وہ دن یقیناً تاریخی اہمیت کا حامل ہوگا۔ جب ایک اور سولہ کا تناسب سولہ کا تناسب، سولہ اور ایک کی نسبت میں تبدیل ہو جائیگا۔ مفسرین نے عظمت و شہرت کے معیار کا جو فارمولا پیش کیا ہے وہ اس لحاظ سے یقیناً درست ہے کہ مروجہ سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت میں اشیا کی قدر و قیمت اسی فارمولے سے مقرر ہوتی ہے۔ راقم الحروف سمیت وہ تمام لوگ جو سماجی تبدیلیوں کے ہر عمل کو مروجہ اقتصادی نظام کے حوالے سے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جو ہر تبدیلی میں پیداواری رشتوں اور ان کے عمل کی نشاندہی کرتے ہیں، بشکم سیروں کے اس فلسفے سے متفق نہیں ہیں جس کی ایک مثال اوپر بیان کی گئی ہے، ۱۹۴۷ء میں برصغیر کی ہیئتی تبدیلی کے بعد پاکستان کے عوام نے جس نئے دور میں قدم رکھا اور جس نام نہاد نئے سفر کا آغاز کیا۔ اسکی تفصیلات کا حاصل یہی ہے کہ ہر چیز کی طرح ریڈیو پاکستان بھی اپنے عہد کی انہی اشیا میں شامل ہے جو ملک کے معیشتی نظام کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ ریڈیو اظہار و ابلاغ کا ایک ذریعہ ہونے کی وجہ سے اپنا طبقاتی کردار تو ادا کر رہا ہے۔ مگر اس کے کردار کے بارے میں اکثر افراد کی معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں اور یوں ریڈیو کو اظہار و ابلاغ کی مقدس مسند نشینی کا بلاشرکت غیرے مستحق سمجھا جانے لگا ہے۔ لوگوں کو یہ سمجھنے کی بہت کم مہلت ملی ہے کہ ریڈیو بھی استحصالی ذرائع کی ایک کڑی ہے جو استحصالی زنجیر کی بہت سی کڑیوں کا ایک حصہ ہے۔

پشاور اور صوبہ سرحد کے عوام جنہیں ریڈیو پاکستان پشاور کے بہت سے افسر جاہل اجڈ اور گنوار سمجھتے ہیں، ریڈیو کے بارے میں اس روز آگاہ ہوئے جس روز پاکستان اسپیشل پولیس نے ایک درجہ اول مجسٹریٹ کی معیت میں اس کی عمارت میں قدم رکھا اور ان دھاندلیوں اور بدعنوانیوں کی تحقیقات شروع کی، جو عرصہ دراز سے قومی خدمت کے پردے میں چھپی ہوئی تھیں پشاور کے اخبارات اور پشاور میں مقیم بیرونی اخبارات کے

پولیس کے چھاپے سے انجینئرنگ سیکشن کی شہرت کا آفتاب سوا نیزے پر پہنچ گیا

نمائندوں میں سے اکثر نے پروگراموں کی "بلیک" کے ڈر سے خبر تک نہ چھاپی، مگر اس کے باوجود بات لوگوں تک پہنچ ہی گئی بہت سے لوگوں کو پہلی مرتبہ پتہ چلا کہ ریڈیو پاکستان بھی، پی ڈبلیو ڈی، واپڈا اور روڈ ٹرانسپورٹ قسم کی چیز ہے۔ جہاں خوشامد اور کاسہ لیسی کے ٹھنڈر ہی نہیں بھرے جاتے بلکہ اِدھر کا مال اُدھر بھی ہوتا ہے، لوگوں کو پہلی مرتبہ یہ بھی پتہ چلا کہ دنیا بھر کی خبریں سنانے والا یہ ادارہ خود کتنی دلچسپ خبر ہے۔ جیسے بدقسمتی سے کبھی بھی نشریاتی مشینوں اور اخبارات کا مرہون منت نہیں سمجھا گیا، جو سینہ بسینہ سفر طے کرتی ہے اور مکلف جوبلیاں منواتی ہے۔

انجینئرنگ سیکشن

آیئے لفظی ہیر پھیر سے نکل کر ساز و آواز کے اس صنم خانے کی سیر کریں۔ اس صنم خانے کے طلسمات الف لیلوی داستانوں سے زیادہ دلچسپ تو نہیں ہیں مگر ان میں وہ تمام لوازمات موجود ہیں جو طلسم ہوشربا اور فسانہ عجائب میں نظر آسکتے ہیں، جن، بھوت، حوریں، پریاں اور دیو سبھی موجود ہیں، سب سے پہلے انجینئرنگ کے شعبے کے حالات ملاحظہ کیجئے کہ اس کی شہرت اب سرکاری طور پر بھی مستند ہوگئی ہے۔

پاکستان اسپیشل پولیس کے چھاپے اور خرد بُرد کی تحقیقات سے پہلے یہ شعبہ سب کی نظروں سے اوجھل تھا۔ لوگ ریڈیو سنتے ضرور تھے مگر کسی نے یہ سوچنے کی زحمت کبھی گوارہ نہیں کی کہ وہ جو کچھ سنتے ہیں اس میں انجینئروں کی صلاحیتوں کو بھی دخل ہے پروگراموں کے دوران گڑبڑ، لفظوں کی کتر بیونت اور ریکارڈنگ کی خامیوں پر لوگ چونکتے ضرور تھے مگر کوئی فیصلہ نہ کر پاتے تھے کہ یہ سب کچھ کیا ہے، کیوں ہوتا ہے اور کیسے ہوتا ہے؟ اور اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے، بارہا لوگوں کو ریڈیو پاکستان پشاور سے آل انڈیا ریڈیو کی آواز بھی سنائی دی۔ مگر لوگ پھر بھی نہ سمجھے، انجینئرنگ سیکشن کے ماہرین نے بارہا کل پرزوں کی خرابی کے اعلان کے ذریعے بھی اپنے وجود کا ثبوت دینے کی کوشش کی مگر لوگ پھر بھی ٹس سے مس نہ ہوئے اُلٹا بہت سے "شکم سیر" داد دیتے نظر آئے کہ واہ صاحب کیا کمال ہے، اتنی پرانی مشینیں کیا خوب کام کر رہی ہیں؟ واہ صاحب کمال ہے، پرانی مشینوں نے، آل انڈیا ریڈیو کو پکڑ لیا؟ اور تو اور لوگ شمشاد خالد کی آواز کی کلاسکی "گرارلوں" کو بھی پرانی مشینوں ہی کا کارنامہ سمجھتے۔ ان کی توجہ فنی ماہرین کی طرف نہ گئی کہ نہ گئی ظاہر ہے یہ قدر ناشناسی کون برداشت کر سکتا ہے۔

ایک دو روز نہ ایک دو سالوں کی بات ہوتی تو شاید انجینئر بھائی صبر کر لیتے مگر جہاں لوگ جوبلیوں کے بعد بھی ٹس سے مس نہ ہوں وہاں اپنے وجود کے اظہار کے لئے کوئی ناجائز ذرائع استعمال نہ کرے تو پھر کیا کرے، چنانچہ یہی ہوا، اِدھر لاہور کے ایک اخبار میں ریڈیو پاکستان کے شعبہ انجینئرنگ پر چھاپے کی خبر چھپی اُدھر ریڈیو پاکستان پشاور کے انجینئرنگ سیکشن کا آفتاب اقبال نوک نیزہ بلکہ سوا نیزہ پر چمکنے لگا۔ پلک جھپک میں اس کی چکا چوند نے بڑے بڑے ناموروں کے ستارے ماند کر دیئے پروگراموں اور انتظامیہ کے نامی گرامی پہلوان پس منظر میں چلے گئے، لوگ یوں محسوس کرنے لگے کہ ریڈیو پاکستان پشاور ساز و آہنگ کا صنم خانہ نہ ہو، نظام لوہار کا ورکشاپ ہو۔

پولیس کے اس چھاپے کے دوران جو بات منظر عام پر آئی وہ یہ تھی کہ ریڈیو پاکستان پشاور میں لوگوں کے سیٹوں کے لئے صرف پروگرام ہی مہیا نہیں کئے جاتے بلکہ پرانے اور خراب ریڈیو سیٹوں کی مرمت بھی کی جاتی ہے، ٹیپ ریکارڈر بھی ٹھیک کئے جاتے ہیں اور بجلی کی استریاں بھی درست کی جاتی ہیں، لوگوں کو جب ریڈیو کی اس خوبی کا پتہ چلا تو وہ کمرشل سروس والوں کو کوسنے لگے کہ ان کی کوتاہی کی وجہ سے وہ ریڈیو پاکستان پشاور کے فنی ماہرین سے اپنی استریاں، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر درست کروانے سے محروم رہ گئے اور ماہرین کی خدمات سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے۔

ریڈیو پاکستان پشاور ایک قومی ادارہ ہے مگر یہ بھی اسی قومی اخلاقی نظام کا پابند ہے جو باقی دوسرے قومی اداروں پر مسلط ہے، ادارے قومی ہوں یا غیر قومی سرکاری ہوں، یا غیر سرکاری ان کی بنیاد ایک ہی ہے وہ سب ایک ہی تسبیح کے دانے ہیں، پروگرام سیکشن کے افراد اگر اپنے عہد کے طبقاتی اور استحصالی علم و ادب کو علم و ادب کی "جائز" یعنی حقیقی تعریف کے ساتھ پیش کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں اور اس سلسلے میں وہ اپنی پسند کے افراد کو ہر فن مولا منوا سکتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ انجینئرنگ سیکشن کے لوگ ریڈیو پاکستان پشاور کے قومی ورکشاپ میں "پارٹ ٹائم" ذاتی کاروبار نہ کر سکیں۔ اور کون سی مجبوری ہے کہ وہ ورکشاپ کے نام پر منگوایا ہوا سامان اپنے گھروں میں استعمال نہ کر سکیں، ورکشاپ کے لئے آیا ہوا تیل کیا گھروں میں استعمال نہیں ہو سکتا؟

تحقیقاتی کمیٹی کے اندازے کے مطابق ریڈیو پاکستان پشاور کے براڈکاسٹنگ ہاؤس اور ٹرانسمیشن ہاؤس کے اسٹورز میں ۳۰ ہزار روپے کی مالیت کا سامان غائب ہوا ہے سنا جاتا ہے کہ اکاؤنٹنٹ سیکشن کا بھی اس اسکینڈل کے ساتھ کچھ نہ کچھ تعلق ہے۔ کیونکہ خریداری کے واؤچرز اور ادائیگیوں کے سلسلے میں اس سیکشن کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔

فلمی دنیا کے بارے میں مشہور ہے کہ وہاں ڈائریکٹر کے بعد کیمرہ مین کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے، ڈائریکٹر زیادہ سے زیادہ کسی آرٹسٹ کو اپنی مرضی کے کسی کردار کے لئے منتخب کر سکتا ہے مگر کیمرہ مین کو یہ کمال حاصل ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی خوبصورت آرٹسٹ کو اپنی فنی مہارت سے بدصورت اور کسی بدصورت کو خوبصورت بنا کر پیش کر دے، سنا گیا ہے کہ فلمی اسٹوڈیو میں تقریباً زندہ حسن کیمرہ مینوں کا طواف کرتا نظر آتا ہے اور یہ لوگ فلمی دنیا کے خوش قسمت افراد میں شمار ہوتے ہیں، ریڈیو پاکستان پشاور کے انجینئرز کو بھی تقریباً یہی شرف و خصوصیت حاصل ہے، یہ لوگ خراب آواز کو بہتر تو نہیں بنا سکتے۔ کہ ایسی کوئی مشین ابھی تک ان کے ہاتھ نہیں لگی البتہ اچھی بھلی آواز کو کل پرزوں کی شرارت کے بہانے خراب ضرور کر سکتے ہیں۔ کسی بھی پروڈیوسر کے پروگرام کو مضحکہ خیز ضرور بنا سکتے ہیں، کسی بھی ادیب کے ڈرامے کا ستیاناس کر سکتے ہیں، پروگرام پروڈیوسروں اور آرٹسٹوں کو پروگرام کی ریکارڈنگ سے ملنے والی سہولت سے محروم کر سکتے ہیں اور اس سلسلے میں وہ کوئی بھی بہانا تراش سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ریڈیو کے اکثر پروڈیوسروں اور آرٹسٹوں کو ان سے ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا ہے چنانچہ اندر کے اس چور سے وہ اسی طرح نجات حاصل کرتے ہیں

ٹرانسمیشن ہاؤس کے اسٹور سے ۳ ہزار روپے کی مالیت کا سامان غائب

جس طرح فلموں سے تعلق رکھنے والوں کا قاعدہ ہے۔

مرزا غالب کی زندہ دلی، خوش ذوقی اور رندانہ بیباکی بہت مثالی تھی، جوانی میں ایک ڈومنی بھی مار رکھی تھی۔ بڑھاپا آیا تو ہاتھوں کی جنبش آنکھوں میں دم بن کر اُتر آئی۔ اور ساغر و مینا کو دیکھ دیکھ سرشار ہوتے رہے انتقال فرمایا تو "اعلان" کے مطابق گھر سے حسینوں کے خطوط بھی برآمد ہوئے، ریڈیو پاکستان پشاور کے ریجنل انجینئر مسٹر اکرم علی کو اگرچہ مرزا غالب سے کوئی نسبت نہیں مگر ان کے کمرے سے ہمیشہ جیتی جاگتی تصویریں نکلتی دیکھی جاتی ہیں۔ ایک انجینئر کی خوش ذوقی اور فنون لطیفہ سے وابستگی کی اس بڑی مثال شاید ہی ریڈیو کے کسی اور اسٹیشن پر دیکھی گئی ہو۔ سننے میں آیا ہے کہ ریڈیو کے کسی بھی آدمی کو ان سے کوئی کام نکلوانا ہو، چاہے گھر کی استری ہی کیوں نہ ٹھیک کروانی ہو وہ کسی نہ کسی صداکارہ کو ریجنل انجینئر کی کمزوری بتائے بغیر لے کر ان کے کمرے تک پہنچ جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ کسی طبیب نے انہیں مشورہ دے رکھا ہے کہ وہ حسینوں کے مطالعے سے استفادہ کرتے رہا کریں کہ اس مطالعے سے بینائی میں کمی نہیں ہوتی۔ اور آدمی اپنی ٹانگوں کے زلزلے کے باوجود جوان دکھائی دیتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ مسٹر اکرم علی اپنی عمر کے عبرت آموز حصے میں بھی مذکورہ نسخے پر عمل کر رہے ہیں اور دفتر میں اپنا زیادہ وقت حسینوں کے جھرمٹ میں گزارتے ہیں، صحت بنانے کی فکر سے انہیں نجات ہی نہیں ملتی کہ وہ اپنے قومی ورکشاپ کی بھی خبر لیں، اپنے ماہرین کی طرف بھی توجہ دیں اور مٹی کے تیل کے کنستروں کی بھی خبر گیری کریں۔

پتہ چلا ہے کہ تیسرے پانچسالہ منصوبے میں ریڈیو پاکستان پشاور کے لئے نئی عمارت کی تعمیر کا منصوبہ بھی شامل تھا نئے اسٹیشن کی تعمیر کے لئے جب قومی سطح پہ بات چیت ہوئی تو حکومت نے موجودہ اسٹیشن کے قریب ہی ایک سرکاری قطعہ اراضی کی نشاندہی کی مگر اس قطعہ اراضی پر کام شروع نہ ہو سکا۔ اب تیسرا پانچسالہ منصوبہ ختم ہو چکا ہے اور چوتھا شروع ہوئے ایک سال ختم ہونے کو ہے، معاملہ جہاں تھا وہیں پر ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ نئے اسٹیشن کے لئے مجوزہ قطعہ اراضی کے بارے میں ریجنل انجینئر مسٹر اکرم علی اور بعض دوسرے حکام نے عدم دلچسپی کا اظہار کیا تھا ان کی خواہش تھی کہ اسٹیشن کی تعمیر کے لئے اراضی ان کی پسند سے خریدی جائے، اس مسئلے کے ٹیکنیکل پہلوؤں پہ وہی لوگ سوچ سکتے ہیں جو اس کاروبار کے نشیب و فراز سے واقف ہیں، ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔

۱۹۶۵ء میں ٹرانسمیشن ہاؤس کے لئے ایک عدد ائیر کنڈیشنگ پلانٹ خریدا گیا تھا۔ یہ پلانٹ تادم تحریر ٹرانسمیشن ہاؤس کی عمارت کے باہر پیٹیوں میں بند کھلے میدان میں پڑا ہے، پلانٹ اس غرض سے خریدا گیا تھا کہ ٹرانسمیٹر کے کل پرزوں کو موسمی گرمی کے علاوہ برقی حدت سے محفوظ رکھا جا سکے کیونکہ گرمی سے پرزوں کے جلد خراب ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ لیکن مجبوریوں کا یہ عالم ہے کہ ۱۹۷۱ء کے آخر تک بھی یہ پلانٹ نصب نہیں ہو سکا۔ پتہ چلا ہے کہ یہ پلانٹ جس کمپنی سے خریدا گیا تھا۔ اس نے پلانٹ کی تنصیب کی ذمہ داریاں قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ کمپنی کا کہنا ہے کہ کاروباری شرائط کے مطابق تنصیب کا معاملہ طے نہیں کیا گیا تھا جبکہ ریڈیو کے حکام پلانٹ کی تنصیب کی ذمہ داری کمپنی پر ہی ڈالتے ہیں، یہ مسئلہ گذشتہ چھ سالوں سے متنازعہ چلا آ رہا ہے، پلانٹ، عمارت کے باہر گرمیوں کی دھوپ اور سردیوں کی بارش کے مزے لے رہا ہے، ادھر ٹرانسمیشن کی مشینیں اور کل پرزے اپنی ہی حدت میں پگھل

ریجنل انجینئر کے

کمرے سے

جیتی جاگتی تصویریں

برآمد ہوتی ہیں

رہے ہیں۔ ریجنل انجینئر صاحب کو اپنی صحت بنانے سے فرصت نہیں، خیال کیا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ مسئلہ آئندہ کی عوامی حکومت کا درد سر سمجھ کر چھوڑ دیا ہے، اگر عوامی حکومت کے قیام تک پلانٹ نام کی کوئی چیز ٹرانسمیشن ہاؤس کی عمارت کے باہر پڑی ہوئی مل گئی تو یقیناً وہ ٹھکانے لگ جائیگی

پروگرام سیکشن

پروگراموں کا مجموعی تاثر کسی بھی لحاظ سے قابل تعریف نہیں، کیا اردو اور کیا پشتو، کیا ادب اور کیا موسیقی سب پر نوکر شاہی کی چھاپ نظر آتی ہے، فارمولا فلموں کی مثلث کے مطابق ریڈیو کو اسی لکیر پہ گھسیٹا جا رہا ہے جو بیشتر ماہرین نے کھینچ رکھی ہے۔ جہاں تک معیار کا تعلق ہے، بیشتر ماہرین کے پروگرام آج بھی ہر لحاظ سے بہترین قرار دیئے جا سکتے ہیں ترقی معکوس کی کئی مثالیں ہیں۔ یقین نہیں آتا کہ ریڈیو جیسے اہم ادارے کا ایسا حشر بھی ہو سکتا ہے۔

ماضی میں ریڈیو کو جو چند نامور افسر ملے تھے۔ ان کی کارکردگی کی یاد اس لئے باقی رہ گئی۔ کہ وہ محض نوکر شاہی کے کل پرزے نہ تھے، وہ فن کار بھی تھے، وہ ادب و فن سے آگاہ تھے ان کے اندر زندہ اور توانا فن موجزن رہتا تھا مگر ریڈیو کے اس سنہری دور کے بعد جو لوگ ریڈیو میں داخل ہوئے وہ نوکر شاہی کے مزاج پر تو پورے اُترے مگر فن اور فن کار ہوتوں کے لئے سوہان روح ثابت ہوئے، نوکر شاہی کا مزاج ہی یہی ہے کہ وہ لکیر سے آگے نہیں بڑھا کرتی اور قاعدے قانون کے حصار باندھ کر اپنی تخلیقی کم بے مائیگی پر پردے ڈالتی پھرتی ہے نوکر شاہی کے زائچہ نویسوں نے آل انڈیا ریڈیو کے زمانے سے جس چیز کو سعد اور جس شے کو نحس قرار دے رکھا ہے وہ فن کار نوکر شاہی کے دور بغاوت کے بعد نمایاں محسوس کی جا رہی ہیں، موجودہ نوکر شاہی نے پرانی نوکر شاہی سے سینہ بسینہ قاعدے اور قوانین تو وصول کر لئے مگر وہ ہنر قبول نہ کیا جو انہیں ان کی نوکر شاہی کے باوجود ممتاز مقام دے گیا ہے۔ جدید نوکر شاہی چونکہ اندر سے خالی تھی اس لئے وہ علمی ورثہ ہی قبول کر سکی اس کا زیادہ سے زیادہ نصب العین ریڈیو چلانے تک ہے، بجٹ بنوانے اور بجٹ ختم کرنے تک ہے نوکر شاہی کی سالانہ ترقیوں کا سلسلہ جاری ہے مگر وہ قوم کو کیا دے رہے ہیں؟ یہ سوال شاید ان کے جواب کا محتاج نہیں، اس سوال کا اگر کوئی مختصر سا جواب ہے تو وہ یہی ہے کہ حکومت نے چند پڑھے لکھے افراد کو روزگار فراہم کر رکھا ہے اگر کوئی اس جواب کے ساتھ ارباب ریڈیو سے ادب و ثقافت اور قومی فرائض کے بارے میں کسی مثبت رد عمل کا طالب ہو تو اسکی یہ توقع شاید موجودہ حالات میں کبھی بھی پوری نہ ہو سکے گی، موجودہ حالات میں اور موجودہ طریق کار میں کسی مثبت تخلیقی عمل کی گنجائش ہی نہیں اور اس کی ایک معقول وجہ یہی ہے۔ سب سے بڑی اور اہم وجہ اس قومی ادارے کے لئے ماہرین کی بھرتی کا طریق کار ہے، یہ کچھ اس قسم کا ہے کہ اس میں امیدوار کا بی اے ہونا تو لازمی ہوتا ہے لیکن ادب و ثقافت اور قومی و تہذیبی علم سے آشنا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ بی اے کی ڈگری کے ساتھ اگر کوئی امیدوار اخبارات میں چھپے ہوئے دو چار مضامین

ریڈیو اسٹیشن کے قومی ورکشاپ میں خراب ریڈیو،

کے تراشے پیش کردے اور دو ایک اخبارات سے ملازمت یا صحافت کے بوگس سرٹیفکیٹ لے کر درخواست کے ساتھ نتھی کردے تو وہ منتخب کر لیا جاتا ہے اور اسے اس بات کا حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ ریڈیو پاکستان کی قومی حیثیت کے رعب و دبدبے کے ساتھ میر انیس اور غالب کو بے بحر اور بے وزن قرار دے، ندیم اور فیض کو لونگا سمجھے اور جوش اور جگر کو مہمل قرار دے، ضروری نہیں کہ پروگرام پروڈیوسر موسیقی کا ماہر ہو مگر یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ کلاسیکی موسیقی کی فنی باریکیوں میں غلطیوں کی نشاندہی کرے، وہ راگ راگنیوں کے علم میں اضافہ کرے اور سازوں میں اپنی طرف سے ایجادات کرے طبلے کی جگہ لکڑی کے پھٹے استعمال کروائے مدارنگی کو والٹن کا چربہ قرار دے وغیرہ وغیرہ۔

جس طرح ایک سی ایس پی افسر دنیا کے ہر کام کے لئے فٹ ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر پروگرام پروڈیوسر کو فن کے ہر شعبے میں ماہر سمجھنا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ اگر کسی پروڈیوسر کے ذمے ڈرامہ ہے تو سمجھ لیجئے کہ شکسپیئر اسی کا خوشہ چیں تھا اگر وہ موسیقی کا انچارج ہے تو جانیئے کہ سلامت علی نزاکت علی جوری جیسے اسی سے اکتساب کرتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ ریڈیو پاکستان کے سبھی اسٹیشن ایسے ہی ماہرین سے بھرے ہوں یقیناً کچھ لوگ فن کار بھی ہوں گے مگر جس قاعدے اور قانون کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس کے مطابق اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے جو کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی ب کا نقطہ بنے پھرتے ہیں۔

ریڈیو پاکستان پشاور کے اردو اور پشتو پروگراموں کے پیش کاروں، سازندوں، صداکاروں، گلوکاروں اور دوسرے افراد کی تفصیل میں بہت دور تک جانے کی گنجائش ہے مگر اس میں بہت سی مشکلات مانع ہیں تاہم اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ ضرور عرض کیا جاتے گا۔

ریڈیو کے انتظامی ڈھانچے کے اعتبار سے پروگرام پروڈیوسر کو بے حد اہمیت حاصل ہے مگر نوکر شاہی اور افسر شاہی کے فرق کو برقرار رکھنے کے لئے کام کئی ہاتھوں میں اس طرح بٹا ہوا ہے کہ کام کم اور ہاتھ زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔ کسی زمانے میں جب ہاتھ بہت تھوڑے ہوا کرتے تھے کام بہت زیادہ نظر آتا تھا۔ زیادہ ہی نہیں مفید اور معیاری بھی مگر اب ایسا نہیں ہے۔ اب تو ریڈیو پاکستان پشاور بیروزگاری کے خاتمے کا ایک ذریعہ نظر آتا ہے۔ پشاور ریڈیو کے انتظامی ڈھانچہ کا نقشہ نیچے دیا جا رہا ہے۔

اس انتظامی ڈھانچے کے اعتبار سے ریڈیو پاکستان پشاور میں ایک عدد ریجنل ڈائریکٹر کے علاوہ ۵ عدد اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹرز ہیں۔ تقریباً چھ عدد پروگرام آرگنائزر ہیں اور تقریباً ۱۰ عدد پروگرام پروڈیوسرز ہیں۔ اب اس انتظامی ڈھانچے کی الگ الگ خصوصیات پر نظر ڈالئے اور غور فرمایئے کہ اظہار

ریجنل ڈائریکٹر۔ یوسف بنگش

یعقوب علی بنگش
اے آر ڈی ایڈمنسٹریشن

رشید علی دہقان
اے آر۔ڈی (مرکز)
↓
تاج محمد خان (پی پی)

اشرف مفتون
اے آر ڈی زرعی پروگرام
↓
نواب علی (پی او زرعی پروگرام، چترالی پروگرام ویسٹرن میوزک اور فورسز پروگرام)
↓
نثار محمد خان، پی پی زرعی پروگرام
↓
مس نصرت شاہ، پی پی فورسز، چترالی، ویسٹرن میوزک

عزیز الرحمٰن (اے آر ڈی اردو کمرشل)
↓
ارباب ودود
پی او
↓
شرف الدین مخلص سید جبار، مشتاق شباب، سردار محمد
پی پی

میثاق حسین
پی او
↓
پی پی

باسط سلیم
پی او
↓
فقیر حسین ساحر

محبوب خان (اے آر ڈی پشتو)
↓
ارباب رشید (پی او)
↓
بسمل (پی پی)

عمر ناصر (پی او)
↓
افسر شاہ (پی پی)



ٹیپ ریکارڈر اور بجلی کی استریاں درست کی جاتی ہیں

ابلاغ کے اس قومی اور مستند ادارے میں کتنے ہیں جنھیں قوم کا غم کھائے جارہا ہے اور جو واقعی یہ محسوس کرتے ہیں کہ اُن کے روزگار کی ضمانت قوم کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔

۱- اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹر پشتو مسٹر محبوب علی خاں

یہ صاحب پشتو کے مقدر کے مالک ہیں۔ پروگرام پروڈیوسر زیتون بانو کے ریڈیو سے استعفے کے بعد ان کے بارے میں جو کچھ معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ ان کے مطابق ان کا زیادہ وقت بھی خواتین فنکاروں کی صحبت میں گزرتا ہے۔ زیتون بانو کے مطابق ریڈیو

OFFICE ORDER

21ST JULY 1971

It has been decided to stop the entry of the Pashto Drama voices to Broadcasting House with imm[...] effect till further orders :-

1. Miss Musarrat
2. Miss Zakia

Their contracts if any may be withdrawn for [...] and substitute arrangement made.

(M.Y. BANGAS[...])
REGIONAL DIREC[...]

Copy to :-

ARD(P)
ARD(E)
ARD(A)
ARD(C)
ARD(F)
POP

...کے تحت مس مسرت اور مس ذکیہ پر ریڈیو اسٹیشن کے دروازے بند کر دیئے گئے

Government of Pakistan
Radio Pakistan, Peshawar.

No 529- [...] 29

Madam,

Due to certain Programme Exigencies we are obliged to with draw the contract offered to you as compere [...] women's programme for the month of August 1971.

[illegible]

Hoping your Co-opratio[n]

Yours faithf[ully]

for Regional D[...]

Miss Shamim [illegible]
H.No.102 Gul Bahar Colony
No.1 Peshawar city.

...ائریکٹر کی ہدایت پر مس شمیم کے پروگرام کا کنٹریکٹ ختم کر دیا گیا

میں آنے والی کسی بھی فنکارہ کے لئے یہ لازمی شرط ہے کہ وہ پروگرام اور ریہرسل کے علاوہ بھی تقریباً روزانہ تشریف لایا کرے اور متعلقہ پروڈیوسر کے بجائے اے آر ڈی سے ملاقات کیا کرے۔ معلوم ہُوا ہے اے آر ڈی مسٹر محبوب علی خاں خواتین فنکاروں کو اکثر ۲ بجے کے بعد اسٹیشن آنے کے احکامات دیتے ہیں اور پھر شام ڈھلنے تک یعنی دفتری اوقات کے بعد تک اُنھیں فن کی مشق کراتے رہتے ہیں۔ یہ صاحب فن کی خدمت کے لئے آنے والی خواتین کی فنی خوبیوں سے زیادہ اُن کے حسن و جمال کو اہمیت دیتے ہیں۔ انھیں زیتون بانو سے اکثر یہ شکایت رہتی تھی کہ وہ ریڈیو کے لئے بدصورت چہرے لاتی ہیں۔ کام سے دلچسپی کا یہ عالم ہے پروگرام پروڈیوسروں کا کام بھی خود ہی انجام دیتے ہیں۔ پروگرام پروڈیوسر کسی پروگرام کے لیے جو فنکار منتخب کرتے ہیں اگر وہ اے آر ڈی صاحب کی پسند کے معیار پر پورے نہ اترتے ہوں تو انہیں بدل دیا جاتا ہے۔ اسی طرح پروگرام لکھوانے کے سلسلے میں بھی وہ پروگرام پروڈیوسروں کے بجائے اپنے فہم و ادراک سے کام لینے کے عادی ہیں، مسٹر اکرم علی ریجنل انجینئر کی طرح اُن کے کمرے میں بھی چوڑیوں کی چھنک اور قہقہوں کی سرگم سنائی دیتی ہے۔ یہ صاحب پشاور کے قریب ایک گاؤں "چغر مٹی" کے رہنے والے ہیں اور یہ اطلاع یوں ملی کہ ریڈیو کی نئی چکداکاریں اکثر اس گاؤں میں دیکھی گئی ہیں۔ قوم اور قومی پروگراموں سے اُن کی دلچسپی ریڈیو میں آنے والے خوبصورت چہروں کی حد تک ہے۔

۲- اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹر اردو پروگرام و کمرشل مسٹر عزیزالرحمٰن

یہ صاحب جب سے ریڈیو میں بھرتی ہُوئے ہیں ان کا زیادہ عرصہ پشاور میں گزرا ہے۔ ایک طویل عرصے کے بعد ان کا تبادلہ کراچی ہُوا تھا مگر کراچی والوں کو وہ راس نہ آئے اور پھر پشاور بھجوا دیئے گئے۔ سُنا ہے انھیں تبادلہ رکوانے اور تبادلوں کو ناکام بنانے میں خاص مہارت حاصل ہے۔ ان صاحب کے تخلیقی ہنر آج تک پوشیدہ ہیں۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کے گن کب کھلیں گے۔ بظاہر وہ اتنے مصروف نظر آتے ہیں جیسے ریڈیو کا تمام تر بوجھ انہیں کے سر پر دھرا ہے۔

۳- اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹر (مرکز) پشتو رشید علی دہقان

رشید علی دہقان صاحب ایک عرصہ سے (مرکز) پروگرام کے لئے اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز ہیں۔ یہ پروگرام ریڈیو کابل کے پاکستان دشمن پروپیگنڈے کے جواب کے لئے شروع کیا گیا تھا۔ آدھے گھنٹے کے اس پروگرام کے لئے جو فنڈ صرف ہوتا ہے وہ اس پروگرام کی مجموعی افادیت کے لیے بے حد زیادہ ہے۔ پچھلے کافی عرصے سے افغانستان اور پاکستان کے تعلقات کی استواری اور بحالی سے بظاہر اس پروگرام کو کوئی خصوصی اہمیت حاصل نہیں لیکن اس کے باوجود اربابِ ریڈیو رشید علی دہقان پر مہربان نظر آتے ہیں۔ تعارف ہی کے سلسلے میں چند مثالیں ملاحظہ کر لیجئے۔ اور وہ یہ کہ پروگرام مرکز جو کہ پشتو پروگراموں ہی کا ایک حصّہ ہے۔ اپنی "خصوصی اہمیت" کے لحاظ سے بہت خفیہ رکھا جاتا ہے مگر سننے میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ یوں بھی ہُوا تھا کہ مرکز کے کسی پروگرام کا جواب حملے سے پہلے ہی ریڈیو کابل سے نشر ہو گیا تھا۔ دوسری مثال یہ ہے کہ اس پروگرام کے اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹر صاحب کی ایک کتاب "وسرو تعویز" بحق سرکار ضبط کی جا چکی ہے۔ اب اس کتاب کے بارے میں حکومت نے شُبہ ظاہر کیا تھا کہ اس میں "پختونستان" کے حق میں پروپیگنڈہ کیا گیا تھا ؎

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

۴- اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹر- زرعی پروگرام اشرف علی مفتون صاحب

زراعت کے بارے میں کسانوں کی معلومات کا یہ پروگرام بھی آدھے گھنٹے کا ہے۔ ریڈیو سے نشر ہونے والے زرعی پروگراموں کا جائزہ لینے کے بعد سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ آدھے گھنٹے کے اس پروگرام کے لیے خاص طور پر اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹر کی کونسی ضرورت ہے۔ اور وہ اس پروگرام کے لئے کیا خصوصی خدمات بجا لاتے ہیں۔ دیکھنے میں تو یہی آیا ہے کہ صبح دس بجے تشریف لاتے ہیں اور ۱۲ بجے اپنی گاڑی میں بیٹھ کر رخصت ہو جاتے ہیں۔ صوبہ سرحد کی کسان آبادی زندگی اور موت کے جن مسائل سے دوچار ہے۔ ان کا حل نہ تو ریڈیو کے چارہ گروں کے پاس ہے نہ اس پروگرام کے ایجاد کرنے والوں کے پاس، کسان آبادی کو فوری طور پر جو مسائل

لاحق ہیں وہ پیداوار میں اضافے کے لئے فنی مہارت اور ادویات اور کھادوں کے نام بتانے سے حل ہونے کا نہیں۔ اُن کا مسئلہ تو یہ ہے کہ اُن کی محنت کو شکاریوں سے بچایا جائے۔ جبری بے دخلیاں بند کی جائیں اور کھلیانوں میں پڑا ہُوا اناج منصفانہ تقسیم کروایا جائے۔ جیسے جاگیرداروں کی ہٹ دھرمی کا گھن کھائے جا رہا ہے۔ صوبہ سرحد کی زرعی آبادی کو جو مشکلات اور مسائل لاحق ہیں زرعی پروگراموں کو اُن سے دور کا بھی تعلق نہیں کسانوں کی تقریباً نوے فیصد آبادی کے پاس ریڈیو نہیں۔ انہیں ریڈیو اور ریڈیو پر سنائے جانے والے زرعی مشوروں سے زیادہ اپنے تحفظ کا مسئلہ لاحق ہے۔ جاگیرداروں اور اُن کے ایجنٹوں کے تشدّد سے بچنے کے لئے انہیں ایسے آلات اور ہتھیاروں کی ضرورت ہے جو انہیں جاگیرداروں کے ناگہانی حملوں سے بچا سکیں۔

اگر ریڈیو کے اربابِ بست وکشاد اپنے طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ زرعی پروگرام واقعی کسی افادیت کا حامل ہے تو اس کے ساتھ ہی انھیں بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اس پروگرام پر قوم کی دولت خرچ ہوتی ہے۔ اس قوم کی دولت جو دنیا کی غریب ترین قوم کہلاتی ہے اور یہ کہ یہ پروگرام جس کی ڈیوریشن صرف آدھ گھنٹہ ہے۔ محبوب علی خاں ہی کی نگرانی میں چل سکتا ہے۔ اس کے لئے ایک علیحدہ اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹر کی کوئی ضرورت نہیں۔ کچھ عرصہ پہلے یہ پروگرام نواب علی پروگرام آرگنائزر کی زیر نگرانی چلا کرتا تھا۔ مگر اب نہ صرف اس پروگرام کے لیے ایک عدد پروگرام پروڈیوسر کی آسامی پیدا کر لی گئی ہے بلکہ ایک عدد اسسٹنٹ ڈائریکٹر بھی مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ ریڈیو سے جب پروگراموں میں تنوع پیدا کرنے کے لئے نئے پروگراموں کے اجرا۔ اور نئے تجربات کا مطالبہ کیا

جاتا ہے تو وہ بجٹ میں کمی، ملک کے اقتصادی بحران کا حوالہ دیتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی وہ جان بوجھ کر قومی خزانے پر غیر ضروری بوجھ ڈالتے نظر آتے ہیں۔ ایک آدمی کا کام چھ افراد پر تقسیم کر کے وہ اپنی خوش اسلوبی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں مگر دراصل افسر شاہی کی پرورش کے بہانے تلاش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ قوم اور قومی مقاصد سے زیادہ افسر شاہی کے مفادات کو اہمیت دیتے ہیں۔ ان کا بنیادی مقصد اظہار وابلاغ کے ذریعے قوم کی تعمیر نہیں بلکہ بیروزگاروں کو محض روزگار فراہم کرنا اور پھر فراہم شدہ روزگار کی حفاظت کرنا ہے۔

۵ - اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹر ایڈمنسٹریشن،

یعقوب بنگش

یہ صاحب بنیادی طور پر لسنرز ریسرچ آفیسر کے عہدے پر کام کر رہے تھے۔ اے آر ڈی ایڈمنسٹریشن کی آسامی خالی ہوتے پر انہیں ایل آر او کے ساتھ ساتھ انتظامی خدمات بھی تفویض کر دی گئیں۔ غنیمت ہے کہ ریڈیو کے اربابِ اختیار نے اس کے لیے ایک علیحدہ شخصیت تلاش نہیں کی، اور قومی خزانے پر مہربانی فرمائی۔ حیرانی ہے کہ اس تجربے کے باوجود اربابِ اختیار باقی شعبوں میں بھی اسی قسم کی کفایت شعاری کی طرف دھیان کیوں نہیں دیتے

اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹروں کے تعارف کے بعد پروگرام آرگنائزروں سے بھی تعارف حاصل کر لیجئے اور خود ہی اندازہ کر لیجیے کہ اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹروں کی طرح یہ افسران باتدبیر قوم کی کس قدر خدمت کرتے ہیں اور پروگراموں کی افادیت سے اُن کا کتنا تعلق ہے۔

۱- پروگرام آرگنائزر

نواب علی یوسف زئی

ان کے ذمے زرعی پروگرام، چترال پروگرام، ویسٹرن میوزک اور فورسز کے پروگرام ہیں۔ ان تمام پروگراموں میں سے کوئی ایک پروگرام بھی ان کی تخلیقی صلاحیتوں کا مرہون منت نہیں۔ زرعی پروگرام کے لیے پروگرام پروڈیوسر نثار محمد خان ان کے مددگار ہیں اور اور چترالی، ویسٹرن میوزک اور فوجی بھائیوں کے پروگرام کے لئے مس نصرت شاہ پروگرام پروڈیوسر اُن کی معاون ہیں۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان تمام پروگراموں میں کس کا کتنا حصہ ہے، اور ان پروگراموں کے لئے کون کتنی تخلیقی صلاحیتیں استعمال کرتا ہے، ہماری معلومات کے مطابق ان تمام پروگراموں میں کسی ایک فرد کو کوئی دخل نہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ کاغذی حد تک ان پروگراموں سے منسوب

یہاں خوشامد اور کاسہ لیسی کے ٹنڈر بھروائے جاتے ہیں

ہیں۔ نثار محمد خان اکثر فلموں کی شوٹنگ کے سلسلے میں چھٹی پر رہتے ہیں۔ مس نصرت شاہ کا یہ عالم ہے کہ صبح سے شام تک باری باری سب کی خیر و عافیت پوچھنے میں ان کا وقت صرف ہو جاتا ہے۔ ویسٹرن میوزک ریکارڈ پروگرام ہے۔ اُس کے لئے انھیں کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ فوجی بھائیوں کا پروگرام تین عدد فلمی نغموں اور خبروں پر مشتمل ہوتا ہے اور یہ تمام کام شمشاد خالد نیوز ریڈر اور اناؤنسر انجام دیتے ہیں۔ چترالی پروگرام چترالی زبان جاننے والا سٹاف آرٹسٹ انجام دیتا ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ نواب علی پروگرام آرگنائزر ان پروگراموں میں کونسے بیل بُوٹے بناتے ہیں اور ان کے پروگرام پروڈیوسر کون سی ذمہ داریاں پوری کرتے ہیں۔

۲- پروگرام آرگنائزر پشتو ٹاکس

ارباب رشید صاحب

یہ صاحب اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹر پشتو مسٹر محبوب علی خان کی نگرانی میں کام کرتے ہیں۔ اپنے اے آر ڈی کی پسند اور ناپسند کے معاملے میں بڑے محتاط ہیں۔ ان کا آدھا کام اے۔ آر۔ ڈی صاحب خود ہی کر دیتے ہیں مثال کے طور پر صداکاروں کا انتخاب، مقرروں کا انتخاب وغیرہ باقی کام اُن کے پروگرام پروڈیوسر صاحب کر لیتے ہیں۔ جو زیادہ سے زیادہ تقریر کا موضوع منتخب کرنا یا کنٹریکٹ جاری کرانے تک محدود ہوتا ہے۔

۳- پروگرام آرگنائزر، میوزک (اردو اور پشتو)

ارباب عبدالودود

یہ صاحب ریڈیو پاکستان کے گنے چنے چند اُن ذہین افراد میں سے ایک ہیں جو پچھلے کچھ عرصے سے استعفٰی دینے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ زیتون بانو کے مستعفی ہونے ایک ڈیوٹی افسر کے ریڈیو سے نجات حاصل کرنے کے بعد یہ سوچ پھیلتی ہی چلی جارہی ہے اور کئی لوگ سنجیدگی سے ریڈیو سے علیحدگی کے بارے میں سوچنے لگے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ انھیں کام کرنے نہیں دیا جاتا۔ ان کے کام میں ناجائز مداخلت کی جاتی ہے اور انھیں ایک کلرک سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔ انہیں یہ بھی شکایت ہے کہ پروگراموں کے تخلیقی پہلوؤں کے بارے میں اُن کی صلاحیتوں سے فائدہ اُٹھانے کے بجائے ایسا ماحول پیدا کیا جاتا ہے جو تخلیقی امور کے لیے کسی طرح بھی مفید نہیں اور جو پروگراموں کی افادیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

۴- پروگرام آرگنائزر۔ اردو ٹاکس اور یونیورسٹی میگزین

میثاق حسین صاحب

یہ صاحب پروگرام آرگنائزر کم اور پروفیسر زیادہ ہیں۔ علم و فن کا شاید ہی کوئی ایسا شعبہ ہو جو اُن کے دائرۂ ادراک میں شامل نہ ہو۔ مجمع الصفات شخصیت ہیں۔ تحقیق و تجسّس کا یہ عالم ہے کہ میر انیس کے اکثر بے وزن اور بے بحر اشعار کی نشاندہی کرتے ہیں۔ پروفیسر میثاق کو اس بات کا قلق ہے کہ صوبہ سرحد کے "روایتی جاہل اور گنوار" لوگ اُن کے علم و فضل کا صحیح طور پر اندازہ نہیں کر سکے۔ معلوم ہُوا ہے کہ یہ صاحب راولپنڈی کے کوٹے سے ریڈیو کی ملازمت میں داخل ہُوئے تھے۔ اور ملازمت حاصل کرتے وقت انہوں نے پنڈی کا ڈومیسائل سرٹیفکیٹ پیش کیا تھا۔ بعد ازاں پشاور میں سکونت کے دوران جب انہوں نے پروگرام آرگنائزر بننے کے لئے انٹرویو میں شرکت کی تو صوبہ سرحد کا سکونتی سرٹیفکیٹ پیش کیا۔ یہ صاحب گزشتہ آٹھ نو سالوں سے پشاور میں

ایئر کنڈیشننگ

پلانٹ چھ سال

سے میدان میں

بے کار پڑا ہے

مقیم تھے۔ جب بھی ملتے، پشاور سے نالاں ملتے۔ اگر کبھی تبادلے کی بات ہوتی تو یہی جواب دیتے کہ اپنی پسند کا اسٹیشن ملنا چاہیئے۔ اور اُن کی پسند کا اسٹیشن لاہور تھا جہاں وہ اپنے فن کی پیش کش کے بارے میں پر امید تھے۔ ان کی دوسری پسند ڈھاکہ تھا۔ اپنی اردو دانی پر ناز اور قومی خدمت کے جذبے سے سرشاری کے حوالے سے اُن کی خواہش تھی کہ اُنھیں ڈھاکہ ریڈیو اسٹیشن پر کام کرنے کا موقع ملنا چاہیئے تاکہ وہ اپنے فن کی وساطت سے مشرق اور مغرب کے اتحاد کے امکانات پیدا کریں۔ وہ فن کو اتحاد کا ذریعہ بنانے کا تجربہ کریں۔ پروفیسر میثاق حسین کی یہ خواہش تو پوری نہ ہو سکی۔ البتہ اس بات کے امکانات روشن ہو گئے ہیں کہ لاہور میں سکونت کے دوران وہ اچھرے کے تجربات کو علم و فن کے سانچوں میں ڈھالنے کی ایسی کوششیں ضرور کریں گے جو اسلام پسندی کے فلسفۂ "جدید" کی ترویج میں ممد و معاون ہوں

۵- پروگرام آرگنائزر۔ اردو ڈرامہ

جناب باسط سلیم

باسط سلیم صاحب ریڈیو پاکستان پشاور کے اُن چند پرانے افراد میں سے ایک ہیں جن کا فن سے جسم و روح کا سا تعلق ہے۔ ڈرامے کے بارے میں باسط صاحب کی خدمات کا اعتراف نہ کرنا ایک سنگین کوتاہی کے مترادف ہے۔ باسط سلیم ادب و ثقافت کے بارے میں بہت کچھ جاننے کے باوجود کبھی بلند بانگ دعوے کرتے نہیں پائے گئے۔ ڈرامے سے اُن کی دلی وابستگی اور پشاور ریڈیو پر ریڈیو ڈرامے کے لئے اُن کی خدمات ایک روشن باب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور توقع کی جا سکتی ہے کہ اگر انھیں موقع ملے تو وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے اور فن کی خدمت کے قومی پہلوؤں کو اُجاگر کرنے میں بخل سے کام نہ لیں گے۔ باسط سلیم کی حیثیت ریڈیو میں بظاہر ایک سرکاری ملازم کی سی ہے لیکن اُن کے کام کا انداز اور کام سے دلچسپی کی جو مثالیں دیکھنے میں آئی ہیں اُن کے لئے وہ بجا طور پر تعریف کے مستحق ہیں۔ باسط سلیم ان افراد سے بالکل مختلف ہیں جو فنکار کم اور افسر زیادہ ہیں۔ باسط سلیم چونکہ بنیادی طور پر ایک فن کار ہیں اس لیے وہ بذاتِ خود بغیر کسی حکم اور اشارے کے اپنے لیے کام پیدا کرتے ہیں۔ وہ ریڈیو اور ریڈیو سننے والوں کے درمیان ایک مضبوط اور پائیدار رشتہ قائم کرنے کے خواہشمند نظر آتے ہیں، جو مسلسل ٹوٹ پھوٹ کی وجہ سے اب بالکل ناپید ہو چکا ہے۔

باسط سلیم کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے ریڈیو کے لئے نہ صرف اعلیٰ صلاحیتوں کے صداکار پیدا کیے بلکہ ڈرامہ نویسوں کی ایک اچھی خاصی تعداد بھی پیدا کی جو ان کے راولپنڈی تبادلے کے بعد پروڈیوسروں کی عدم توجہی کی وجہ سے غائب ہو چکی ہے۔ باسط سلیم بیک وقت ڈرامہ نویس۔ فیچر رائٹر، مزاح نگار اور صداکار ہیں۔ ریڈیو

کی ضروریات اور ریڈیو کی اہمیت کے اعتبار سے وہ ایک مکمل فرد ہیں۔ جب کہ بھرتی کے عام قاعدے کے مطابق ہرا ایرا غیرا منصب کے اعتبار سے ان کا ہم پلہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

یہ بڑے دُکھ کی بات ہے کہ ریڈیو جو کہ ایک مکمل ادبی، ثقافتی اور فنی ادارہ ہے اب خالصاً نوکر شاہی، اور افسر شاہی کا یتیم خانہ بنتا جا رہا ہے۔ اربابِ اختیار کی سوچ کا انداز سی ایس پی قسم کا خالصاً انتظامی نوعیت کا ہے۔ اربابِ اختیار ریڈیو کو واپڈا اور روڈ ٹرانسپورٹ کے محکموں کی قسم کا ایک محکمہ سمجھتے ہیں اور بھرتی کے فارمولے میں ایسی کسی تبدیلی کے متحمل نہیں جو ریڈیو کی ادبی ثقافتی اور فنی ضروریات کو پورا کر سکے۔

۶۔ پروگرام آرگنائزر۔ پشتو ڈرامہ

جناب عمر ناصر

یہ صاحب بنیادی طور پر پشتو بولنے والے نہ تھے مگر ملاقات کرنے پر یہ شبہ نہیں ہوتا کہ پشتو ان کی مادری زبان نہیں، نہ صرف عمدہ پشتو بولتے ہیں بلکہ پشتو لکھتے بھی ہیں۔ انھوں نے پشتو میں ایم اے کیا ہے۔ پشتو سے دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ اپنی اہلیہ کو بھی پشتو میں ایم اے کروایا ہے۔ ان صاحب نے پروفیسر میثاق حسین کی طرح صوبہ سرحد کے عوام کو جاہل اور گنوار سمجھنے کے بجائے "جاہلوں اور گنواروں" کی زبان، تہذیب اور ثقافت کو شعوری طور پر سمجھنے کی کوشش کی ہے اور ایک اچھی مثال قائم کی ہے۔ پاکستان بنے ہوئے ۲۵ سال گزر چکے ہیں پاکستانی قومی شعور کا یہ عالم ہے کہ ملک کے پڑھے لکھے افراد کی جڑیں ابھی تک دہلی اور لکھنؤ میں ہیں قومی سالمیت اور قومی یک جہتی کے مبلغ اور مفسرین کی ایک بڑی تعداد قیام پاکستان کے ۲۵ سالوں کے بعد بھی اپنے ناموں کے ساتھ دہلوی، بریلوی، لکھنوی اور امروہوی لکھتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرتے، اس کے برعکس اگر انہیں پاکستان کے کسی ایک صوبے میں کام کرنے کا موقع ملتا ہے تو وہ نسلی اور لسانی امتیازات کو ہوا دینے لگتے ہیں۔ جیسا کہ پروفیسر میثاق حسین امتیاز برتا کرتے تھے، اسی قسم کی منفی روایات میں عمر ناصر جیسے ذہین اور مخلص افراد کا پیدا ہونا کسی معجزے سے کم نہیں۔ میثاق حسین بھی اسی اسٹیشن پر تقریباً آٹھ، نو برس تک متمکن رہے مگر وہ پشتو کے دو لفظ بھی نہ سیکھ سکے۔ اور اسی اسٹیشن پر عمر ناصر بھی تھے جو ہر ملنے والے سے پشتو میں بات کرنا ضروری خیال کرتے، افسوس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ عمر ناصر بھی ریڈیو کی ملازمت سے دل برداشتہ ہو گئے ہیں۔ سننے میں آیا ہے کہ وہ بھی سنجیدگی سے ریڈیو چھوڑنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں، عمر ناصر صاحب پشتو ڈرامے کے علاوہ پشتو خواتین اور بچوں کے پروگرام بھی مرتب کرتے ہیں

اب ذرا پروگرام پروڈیوسروں کا حال ملاحظہ ہو۔

پروگرام پروڈیوسروں کو ریڈیو میں ریڑھ کی ہڈی سمجھا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں میری معلومات پر بھروسہ کیجئے، اور پھر خود ہی اندازہ لگایئے کہ ریڈیو پاکستان پشاور کے بارے میں آپ کے ذہن میں کس قسم کا خاکہ ابھرتا ہے

۱۔ پروگرام پروڈیوسر، اردو ٹاکس اور قہوہ خانہ فیچر

سردار محمد

ان کے ذمے مختلف قومی امور کے بارے میں پڑھے لکھے افراد سے تقریریں کروانا اور فیچر لکھوانا ہے، تخلیقی صلاحیتوں کا یہ عالم ہے کہ ۱۹۶۲ء یا ۱۹۶۳ء میں جب وہ پہلی مرتبہ ریڈیو کی ملازمت کے لئے انٹرویو دینے کے لئے جا رہے تھے تو انور خواجہ کی دوستی کے حوالے سے انور خواجہ کے اخباری دوستوں نے خاص طور پر ان کے نام سے اخبارات میں مضامین شائع کرائے تھے

پروگراموں پر

نوکر شاہی کی چھاپ

نظر آتی ہے

اور ان مطبوعہ مضامین کا پلندہ ان کی تخلیقی صلاحیتوں کی گواہی کے طور پر انٹرویو میں پیش ہوا تھا۔ پاکستان ایر فورس کے شعبہ تعلیم کی ملازمت کے سلسلے میں یہ صاحب ایک انٹرویو میں شامل ہوئے تو صدارتی طرز حکومت کے موضوع پر انہیں پانچ منٹ کی تقریر کرنے کی دعوت دی گئی مگر یہ صاحب معذرت کر کے ڈائس سے اتر آئے۔ اب یہی صاحب نہ صرف تقریریں لکھوانے کے ماہر سمجھے جاتے ہیں بلکہ تقریروں کی اصلاح کے بھی ماہر گردانے جاتے ہیں۔ اخبارات کے ایڈیٹروں کو خاص طور پر تقریروں کے لئے مدعو کرتے ہیں۔ پروفیسر میثاق حسین کے شاگردِ رشید ہیں۔ اور خوش کرنے کی اس تکنیک سے بخوبی واقف ہیں۔ جو نقادوں کے منہ بند کر دیتی ہے۔

(۲) پروگرام پروڈیوسر۔ خواتین اور بچوں کے پروگرام کے علاوہ یونیورسٹی میگزین، ر

مشتاق شباب

اس نوجوان کو ریڈیو میں قدم رکھے ابھی دو مہینے بھی پورے نہیں ہوئے، لیکن یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ "سر منڈاتے ہی اولے پڑنے" والے حادثے کا شکار نظر آتے ہیں۔ ریڈیو میں قدم رکھتے ہی ان پر اتنا بوجھ ڈال دیا گیا ہے کہ شاید اگلے قدم تک ان کے پاؤں اکھڑ جائیں، اور وہ ریڈیو کے فن کاروں کی بجائے واپس صحافت کے ریس کورس میں چلے جائیں۔

(۳) پروگرام پروڈیوسر تقریبات

سید عبدالجبار

سید عبدالجبار صاحب بھی پروفیسر میثاق حسین کے حلقہ بگوش ہیں، اور ان کا انداز فکر بھی قومی طرز کا ہے۔ پیدائشی اردو بولنے والوں کو ہی اردو کی خدمت کا اہل سمجھتے ہیں، اور ریڈیو کے لئے ایسے اردو دان دُور دُور سے تلاش کر کے لاتے ہیں، ان کے بھائی جو ریلوے میں ملازم ہیں، ریڈیو کے لئے خصوصی خدمات انجام دیتے ہیں اور دوسرے صداکاروں کی نسبت انہیں زیادہ پروگرام ملتے ہیں۔ اور مقامی صداکار اس کی ذمہ داری جبار صاحب پر ڈالتے ہیں۔ صداکاروں کا کہنا ہے کہ کئی سال پہلے باسط سلیم صاحب کے بھائی کو محض اس وجہ سے پروگراموں سے محروم کر دیا گیا تھا کہ وہ باسط سلیم کے بھائی ہیں مگر اس کے برعکس جبار صاحب کے بھائی کو ریڈیو والے خصوصی مراعات دیتے ہیں۔ صداکاروں کو سمجھ میں نہیں آتا کہ حکام کا کون سا اقدام قاعدے کے مطابق ہے۔

(۴) پروگرام پروڈیوسر، اردو ڈرامہ اور فیچرز

فقیر حسین ساحر

یہ صاحب بنیادی طور پر اردو ادب سے متعلق ہیں ریڈیو سے وابستہ ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا مختصر سے عرصے میں ڈرامے سے ان کی دلچسپی کی جو مثالیں دیکھنے میں آئی ہیں۔ ان سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ کچھ کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ دبے دبے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ جس دباؤ میں دبتے جا رہے ہیں ان کی صلاحیتوں کا کیا حشر ہوگا، اور وہ ریڈیو میں رہ کر کوئی اہم مقام حاصل کر سکیں گے یا نہیں۔

(۵) پروگرام پروڈیوسر، اردو پشتو میوزک

شرف الدین مخلص

یہ صاحب اردو اور پشتو موسیقی کی باریکیوں اور ان کے اسرار و رموز سے واقف ہوں یا نہ ہوں، ان میں یہ خوبی ضرور محسوس کی گئی ہے کہ انہیں جو کام سپرد کیا جائے اس میں ڈوبنے، اسے حاصل کرنے اور پھر اسے پیش کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں



پروگرام میں حصّہ لینے والی خاتون نے ۲ بجے کے بعد دفتر آنے سے انکار کر دیا

پشتو ان کی مادری زبان ہے مگر زرعی پروگراموں میں اکثر مجھے انہیں ایک صداکار کی حیثیت سے سننے کا موقع ملا ہے۔ مجھے یہ جان کر حیرانی ہوئی کہ وہ ضلع ہزارہ کی ہندکو بول چال پر اس قدر حاوی تھے کہ یقین نہ آتا تھا۔ پشتو بولنے والوں کے متعلق عام طور پر یہ مشہور ہے کہ وہ تذکیر اور تانیث کی غلطیاں کرتے ہیں مگر ضلع ہزارہ کی بولی بولتے ہوئے شرف الدین مخلص کا لب و لہجہ کسی طرح بھی ہزارہ کے کسی باشندے سے جدا نہ تھا، اردو پشتو میوزک کی ترتیب کے سلسلے میں انہیں چار معاونین کا تعاون بھی حاصل ہے ظاہر ہے کہ اردو پشتو موسیقی پروگراموں سے ان کا تعلق فنی نہیں محض انچارج کا سا ہے جو اوپر سے نیچے تک حلقہ در حلقہ ریڈیو کے تقریباً تمام شعبوں پر محیط ہے

پروگرام پروڈیوسر، فورسز، چترالی اور ولیسٹرن میوزک

مس نصرت شاہ

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ فورسز پروگرام تین عدد فلمی نغموں اور پانچ منٹ کی خبروں پر مشتمل پروگرام ہے فلمی نغمے ریڈیو اناؤنسر پیش کرتے ہیں اور خبریں شمشاد خالد صاحب پیش کرتے ہیں اس پروگرام میں مس نصرت شاہ کا کیا حصہ ہے وہ قارئین خود اندازہ کر لیں، چترالی پروگرام چترالی جاننے والے ایک اسٹاف آرٹسٹ کی ذمہ داری ہے وہ خود پروگرام لکھتا ہے اور خود ہی پیش کرتا ہے، اس پروگرام میں بھی پروگرام پروڈیوسر مس نصرت شاہ کی صلاحیتوں کا پتہ نہیں چلتا اب رہا ولیسٹرن میوزک کا پروگرام تو آقاؤں کی موسیقی کا یہ پروگرام بھی مس نصرت شاہ کی صلاحیتوں کا مرہونِ منت نہیں، اب آپ خود ہی اندازہ کر لیں کہ پروگرام پروڈیوسر مس نصرت شاہ ان کے پروگرام آرگنائزر مسٹر نواب علی اور ان کے اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹر اشرف مفتون تینوں مل کر قوم کی کیا خدمت کر رہے ہیں، اگر آپ غور کریں تو معلوم ہو گا کہ ان پروگراموں کے اصل خالق اور اصل ذمہ دار صرف وہی افراد ہیں جو مائک پر ان پروگراموں کے ساتھ پیش ہوتے ہیں اگر ان کے سروں پر بالائی افسر شاہی کا سایہ نہ بھی ہو تب بھی وہ ان پروگراموں کو اسی خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں۔ ریڈیو کے ارباب اختیار کو کم از کم ایک مرتبہ ضرور یہ تجربہ کرنا چاہیئے کہ ان کے کتنے پروگرام افسروں کی فوج کے مرہونِ منت ہیں۔ مس نصرت شاہ جب سے ریڈیو میں بھرتی ہوئی ہیں۔ پشاور ہی میں مقیم ہیں اور ملازمت کے طویل عرصے میں انہیں کبھی بھی کوئی تخلیقی کام نہیں سونپا گیا۔ حالانکہ یہ ہے کہ وہ اپنے پروگراموں کی سہ ماہی رپورٹ تک بھی دوسروں سے بنواتی ہیں، تنخواہ وہ باقاعدہ وصول کرتی ہیں آج تک ریڈیو کے کسی اعلیٰ افسر اور قوم کے کسی بھی خادم نے قومی دولت کے اس ضیاع پر غور نہیں فرمایا اور بجٹ اور کفایت شعاری کا کوئی تجربہ نہیں کیا۔

۷۔ پروگرام پروڈیوسر (زرعی پروگرام)

نثار محمد خان

یہ صاحب بڑے خوش قسمت واقع ہوئے ہیں۔ ان کے لئے زرعی پروگرام میں پروگرام پروڈیوسر کی اسامی خاص طور پر پیدا کی گئی ہے پہلے یہ پروگرام پروگرام آرگنائزر کی نگرانی میں اسٹاف آرٹسٹوں کی مدد سے ہوا کرتا تھا۔ اب نہ صرف اس نصف گھنٹے کے پروگرام کے لئے ایک عدد اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹر کی ضرورت پیدا کر لی گئی ہے بلکہ نثار محمد خان، کے لئے بھی پروگرام پروڈیوسر کی گنجائش نکال لی گئی ہے اس سے قبل یہ صاحب پشتو میوزک کے انچارج تھے مگر پشتو فلموں کی شوٹنگ کے سلسلے میں انہیں اکثر لاہور رہنا پڑتا تھا۔ چھٹی حاصل کرنے میں انہیں کوئی خاص دشواری پیش نہ آتی تھی۔ لیکن پشتو فلموں میں اداکاری کے شوق کے طویل سلسلے کی وجہ سے حکام کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں ڈائریکٹر جنرل ریڈیو پاکستان پروگرام پروڈیوسر کے بغیر چلنے والے سیکشن کو اس آسامی سے ہی محروم نہ کر دیں۔ چنانچہ فوری طور پر نثار محمد خان کو زرعی پروگرام کا پروڈیوسر بنا دیا گیا تاکہ وہ بہ آسانی ریڈیو کی ملازمت اور فلموں کا شوق یکساں پورا کر سکیں۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ ڈائریکٹر جنرل ریڈیو پاکستان یا کسی اور اعلیٰ افسر نے مقامی حکام سے یہ تک نہیں پوچھا کہ آخر زرعی پروگرام اب تک افسروں کی فوج کے بغیر کیسے چلتا رہا ہے؟

۸۔ پروگرام پروڈیوسر پشتو ٹاکس

بسمل صاحب

اِن کا کام صرف اتنا ہی ہے کہ پروگرام آرگنائزر اور اپنے اے آر ڈی کے احکامات کی تکمیل کریں۔ صرف اُن افراد کے نام کنٹریکٹ جاری کروائیں جن کی اوپر سے سفارش آئے۔ جنہیں محبوب علی صاحب پسند کریں اور جن کی سفارش ارباب رشید صاحب کریں۔ یہ کام اگرچہ ایک کلرک بھی کر سکتا ہے مگر . . .

۹۔ پروگرام پروڈیوسر۔ پشتو ڈرامہ افسر شاہ

یہ صاحب پشتو ڈرامے کے علاوہ پشتو خواتین اور بچوں کے پروگرام بھی پیش کرتے ہیں۔ اُن کے بارے میں بھی یہی خیال کیا جاتا ہے کہ محض کلرک نہیں ہیں فن کی سوجھ بوجھ بھی رکھتے ہیں اور اسی طرح تکلیف میں ہیں جس طرح ادب و فن سے متعلق دوسرے افراد ہیں۔

۱۰۔ پروگرام پروڈیوسر مرکہ تاج محمد خان

یہ صاحب براہِ راست رشید علی دہقان کی زیر نگرانی کام کرتے ہیں۔ اُن کے سر پہ کوئی پروگرام آرگنائزر نہیں اور یہ ایک عمدہ مثال ہے اس بات کی کہ پروگرام آرگنائزروں کی فوج کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے۔

اوپر سے نیچے تک ریڈیو پاکستان پشاور کے اس مختصر سے انتظامی خاکے کا مطالعے سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ جس انتظامی خوش اسلوبی کے لئے افسروں کا اتنا وسیع جال پھیلایا گیا ہے۔ نہ تو وہ انتظامی خوش اسلوبی کہیں نظر آ رہی ہے، نہ ہی پروگراموں کی افادیت دکھائی دیتی ہے۔ وہ ادارہ جس میں انتظامی امور افسروں کی خوش ذوقی اور "ذاتی دلچسپی" کا شکار ہو جائیں کس طرح اپنی معنوی غایت پوری کر سکتا ہے۔

پچھلے دنوں ریڈیو کی دو صداکاراؤں مس مسرت اور مس ذکیہ کا ریڈیو میں داخلہ بند کر دیا گیا تھا اور اس سلسلے میں باقاعدہ آفس آرڈر جاری کیا گیا تھا۔ مگر بعد ازاں جب پروگرام پروڈیوسر زیتون بانو ریڈیو سے مستعفی ہو کر چلی گئیں تو انہیں دوبارہ داخلے کی اجازت مل گئی۔ جب اس سلسلے میں ریڈیو کے حکام سے وجہ پوچھی گئی تو بتایا گیا کہ وہ دونوں لڑکیاں نابالغ تھیں اس سے ان کا داخلہ بند کر دیا گیا تھا اور پھر بعد ازاں جب ان کے والدین نے اجازت دے دی تو انہیں دوبارہ داخلے کی اجازت دے دی گئی ریڈیو کے حکام نے مذکورہ لڑکیوں کے داخلے پر پابندی کے ساتھ ہی مس شمیم کے پروگرام بھی منسوخ کر دیئے تھے اور اس سلسلے میں بھی ایک آفس آرڈر جاری کیا تھا جبکہ وہ پہلی دو لڑکیوں کی طرح نابالغ نہ تھیں۔ اگر مسئلہ، بالغ اور نابالغ کا تھا۔ تو مس شمیم کے پروگراموں کو منسوخ کرنے کی وجہ کیا تھی؟ کیا ان کے پروگرام اس لئے منسوخ کئے گئے تھے کہ وہ بالغ تھیں؟

مس شمیم سے اس بارے میں جو معلومات حاصل کی گئیں

باقی صفحہ ۲۶ پر ملاحظہ فرمائیں

فضل داد

شمشاد احمد

فضل داد نے ہوش سنبھالتے ہی اپنے اردگرد بھوک، بیماری اور ظلم کے بھوت کو ناچتے ہوئے پایا۔ اس کے باپ کا جوان، لٹھ جیسا کڑیل جسم زمیندار کی بیگار کرتے کرتے پرانے لحاف کی طرح لجلجا ہو گیا اور پھر ایک دن موت نے اسے دھنک ڈالا چھوٹا بھائی پیدائشی طور پر ہی کمزور تھا اس کے مرجانے پر فضل داد کو کوئی صدمہ نہ ہوا وہ صرف ماں کو روتا دیکھ کر تھوڑی دیر کو رونے لگا تھا اور فضل داد کی ماں — وہ ٹی بی کے جراثیم کی پرورش کرتے کرتے ایک دن خاموشی سے ختم ہو گئی اور فضل داد کو پہلی بار جھٹکا سا لگا۔ اسے محسوس ہوا جیسے وہ ننگا ہو گیا ہے اور اس کے جسم پر لپٹی ہوئی پھٹی پرانی دھوتی بھی اتر گئی ہے اور تیز دھوپ سے اس کا جسم جھلانے لگا ہے۔

جب دوسرے لوگوں کے ساتھ وہ ماں کو دفن کر کے لوٹ رہا تھا تو اس نے سنا کہ سب اس کے متعلق باتیں کر رہے ہیں ہر کوئی اس کے لئے پریشان ہے اور جب ملاجی نے زمیندار کو مخاطب کر کے کہا۔

آخر کو مسلمان کی اولاد ہے ہمارا فرض ہے کہ اب اس کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سنبھال لیں تو فضل داد نے دیکھا کہ ایک بار پھر سب کے سر جھک گئے اور سب فکر مند ہو گئے۔

ملاجی پھر بولے

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یتیم کے سر پر ہاتھ رکھنے والے پر دوزخ کی آگ حرام ہو جاتی ہے"

ایک ساتھ متفکر چہرے چونکے اور ایک ساتھ سارے ہاتھ فضل داد کے سر کی طرف بڑھے فضل داد گھبرا گیا اور جست لگا کر سب سے قریب کھڑے ہوئے ملاجی سے جا چمٹا ملاجی پریشان ہو گئے اور نرمی سے فضل داد کو پرے اٹھاتے ہوئے اپنے تہمد سے مٹی جھاڑنے لگے زمیندار کی آواز سنائی دی

"ملاجی آپ دین کے محافظ ہیں مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے یتیم کی پرورش کی ذمہ داری آپ پر ڈال دی ہے"۔

پھر مبارک سلامت کا ایک شور برپا ہو گیا ملاجی نے کھسیانی مسکراہٹ سے سب کی طرف دیکھا اور پھر دل ہی میں فضل داد کو کوستے ہوئے گھر کو چل دیئے۔

ملاجی کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی یہ خبر ان کی بیوی تک پہنچ چکی تھی۔ جوں ہی فضل داد کو لئے ہوئے ملاجی اندر داخل ہوئے ملانی جی پنجے جھاڑ کر ان پر برسنے لگیں

"میں کہتی ہوں ہم نے کوئی دین کا ٹھیکہ لے رکھا ہے جمعرات کی روٹی بھجوا کر گاؤں والوں نے سمجھ لیا ہے کہ جس کو جی چاہے ہمارے گھر بھجوا دیں میں نہیں پالوں گی اس سپنولئے کو"

"بھلی لوگ آہستہ بول"۔ ملاجی نے سرگوشی کرتے ہوئے آس پاس کا جائزہ لیا" میں کونسا خوشی سے لایا ہوں یہ مردہ خود ہی میرے گلے آ پڑا۔ تو فکر نہ کر ہم گھاٹے میں نہیں رہیں گے" "یہ کونسا منافع باندھ کر لائے ہو، دن میں تین بار ٹھونسے گا۔ پہلے ہی بڑی ریل پیل ہے نا۔ میں پھر کہتی ہوں اسے فوراً نکال باہر کرو"۔

"دیوانی ہوئی ہو"، ملاجی نے جھنجھلا کر کہا" اس طرح نکال دیا تو سارا گاؤں تھو تھو کرے گا بھینس کے پٹھے کترنے پر لگا دے دیکھتا ہوں کتنے دن چلتا ہے"

"پھر جتنے دن روٹی بھی تو کھائے گا۔ ملانی جی روہانسی ہو کر بولیں

فضل داد نے سب کچھ سنا اسے محسوس ہوا کہ یہ سب کچھ میرے متعلق نہیں کہا جا رہا یہ تو کوئی اور لونڈا ہو گا کسی ہندو کا جو ہندوستان جانے سے رہ گیا ہے لیکن پھر بھی اس کی آنکھوں میں اٹکے ہوئے آنسوؤں کے بند ڈھیلے پڑ گئے۔

ملانی جی چلائیں

"لو اور دیکھو انگلی برابر لونڈا اور گز گز کیا کیا جانتا ہے۔ ذرا شیں کا سنا تو مگا ٹسوے بہانے۔ چل ملانی جی نے یوں دھکا دیا جیسے فضل داد چلنے سے معذور ہے اور ان کے ایک ہی دھکے سے بھینسوں والے گھر پہنچ جائے گا۔

فضل داد سخت کام کا عادی تو تھا لیکن پٹھوں والی مشین چلانا آٹھ دس برس کے بچے کے بس کی بات کہاں تھوڑی دیر مشین کی ہتھی سے لٹک لٹک کر اسے چلانے کی کوشش کرتا رہا۔ کئی بار تو اس کے اوپر بھی بیٹھ گیا لیکن مشین ہلی تک نہیں — اور پھر وہ بے بسی سے سوکھے "ٹانڈوں" پر بیٹھ کر رونے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ملاجی آئے اور اسے وہیں سوتے ہوئے پا کر آگ بگولا ہو گئے اور پھر بھینس ہانکنے والی چھڑی فضل داد کے جسم پر برسنے لگی۔ اس کی کھال چٹخنے لگی اس کی دماغ میں شائیں شائیں تیز آندھیاں چلنے لگیں پھر شدید تکلیف کا احساس کم ہونے لگا فضل داد کو محسوس ہوا جیسے چھڑیاں اس پر نہیں پاس پڑے پتھر پر برس رہی ہیں اور اس کے بعد گھپ اندھیرا چھا گیا۔

جب فضل داد ہوش میں آیا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ ٹوٹ گیا ہے اور اس کے جسم کے حصے سخت سخت ڈوریوں سے کس کر ایک دوسرے سے باندھ دیئے گئے ہیں اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو اس کا جسم جھنجھنے کی طرح بج اٹھا وہ رینگتا ہوا دیوار کے پاس آیا پھر سہارا لے کر اٹھ

الفتح

کھڑا ہوا۔ اس کے سامنے پٹھے کترنے کی مشین کھڑی اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ پھر مشین یکایک گھومنے لگی اس کا ہینڈل تیزی سے چلنے لگا۔ فضل دین کو چکر آگیا تھا اس نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر ڈرتے ڈرتے کھولیں تو ہر چیز اپنی جگہ پر تھی اور مشین بھی رک چکی تھی۔

وہ لڑکھڑاتا ہوا باہر آیا۔ بغیر سوچے سمجھے اس کے پاؤں اپنی جھونپڑی کی طرف اٹھنے لگے اندھیرے میں بھی اسے شیشم کا وہ تناور درخت دکھ گیا جو اس کے باپ نے اس کی پیدائش پر گھر کے دروازے کے سامنے لگایا تھا۔ فضل داد وہاں آکر رک گیا جھونپڑی کا دروازہ کھلا تھا۔ اندر بے پناہ اندھیرا تھا وہ وہیں اس درخت کے نیچے لیٹ گیا اور اسے گھورنے لگا۔

جب فضل داد کی آنکھ کھلی تو سورج سر پر آچکا تھا۔ وہ پسینے میں شرابور تھا۔ اس کے انگ انگ سے درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اسے احساس ہوا کہ اس کے قریب سے کچھ آوازیں آرہی ہیں اس نے کراہتے ہوئے پلٹ کر دیکھا۔ اس کے چاروں طرف پورا گاؤں اکٹھا ہو چکا تھا۔

زمیندار کڑک دار آواز میں ملاجی کو ڈانٹ رہا تھا اور ملاجی بھیگی بلی بنے سن رہے تھے۔ فضل داد اٹھ بیٹھا اسے ایک بار پھر زمیندار کی آواز سنائی دی۔

"تم لوگ سب کمینے ہو اتنا نہیں کر سکتے کہ ایک یتیم بچے کو دو وقت کی روٹی دے سکو تم پر خدا کا قہر نازل ہوگا"۔

ہجوم میں سے کہیں پیچھے سے آواز آئی
"خود ہی کیوں نہیں لے جاتے؟"

زمیندار پریشان ہو گیا وہ غصے سے لوگوں کو گھورتا ہوا بے دلی سے فضل داد کے پاس آیا اور سختی سے بولا۔

"چل اٹھ فضلو — چل میرے ساتھ"

فضل داد چابی والے کھلونے کی طرح اٹھ کھڑا ہوا زمیندار نے ایک بار پھر سارے مجمع پر قہر آلود نظریں ڈالیں اور چل پڑا۔ فضل داد پیچھے پیچھے تھا۔

ایک دن فضل داد زمیندار کے بیٹے کا گھوڑا بنا چابک کھا رہا تھا کہ ایک گورا چٹا، سفید لبادے میں لپٹا ہوا آدمی وہاں آکر رک گیا۔ فضل داد اسے گھور گھور کر دیکھنے لگا اسے اپنی ماں یاد آگئی وہ بھی تو ایسا ہی اجلا اجلا لباس پہن کر قبر میں اتری تھی۔ قبر کے سرہانے کھڑے فضل داد نے جب سورج کی کرنوں کو اپنی ننگی کھال میں برمے کی طرح چھید کرتے ہوئے محسوس کیا تھا تو اس کا جی چاہا تھا کہ وہ ماں سے یہ سفید سفید کپڑا مانگ لے۔ پر وہاں اتنے بہت سارے لوگ کھڑے ننھے فضل داد کی ہمت نہ پڑی تھی اور وہ نکھرا ہوا کپڑا اس کے دیکھتے ہی دیکھتے مٹی سے اٹ گیا اور سپرد دفن ہو گیا

وہ اجنبی فضل داد کے بالکل قریب آگیا فضل داد کو نجانے کیوں ڈر سا لگنے لگا۔ اس نے زمیندار کے لڑکے کو دھکا دے کر اپنی کمر سے گرایا اور ابھی بھاگنے کو ہی تھا کہ اجنبی نے اس کا بازو تھام لیا۔

زمیندار کا بیٹا غصہ سے ہونٹ کاٹتا ہوا چھڑی لہرا کر اسے پیٹنے کو آگے بڑھا۔ فضل داد نے آنکھیں بند کر لیں اور چھڑی پڑنے کے انتظار میں اپنے سارے جسم کو کھینچ کر سخت کر لیا۔ وہ انتظار کرتا رہا کہ کب چھڑی اس کے جسم سے ٹکرائے اور درد کی لہریں اسے شعور کی دنیا سے نکال کر تاریکی کی آغوش میں ڈال دیں لیکن چھڑی نہ برسی۔ اس نے آنکھیں کھول دیں چھڑی اجنبی کے ہاتھ میں تھی اور زمیندار کا لڑکا منہ بسورتا ہوا ایک طرف بھاگا جا رہا تھا۔ فضل داد کا ڈر غائب ہو چکا تھا۔ اس نے تشکر آمیز نگاہوں سے اجنبی کی طرف دیکھا اسے محسوس ہوا کہ جس فرشتے کے انتظار میں اس کے ماں باپ اور بھائی قبر میں اتر گئے وہ آپہنچا ہے۔ فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا

"یہ کون لڑکا ہے جو تمہیں پیٹ رہا تھا؟"

نرم نرم میٹھی میٹھی، مدھر آواز فضل داد کے کانوں میں رس گھول گئی۔ جب سے ماں مری تھی فضل داد اس لوریاں دینے والی آواز کو ترس گیا تھا۔

"بولو بیٹے چپ کیوں ہو؟"

ایک بار پھر یہ آواز اس کے انگ انگ میں گھس گھس کر اس کے جسم کے ہر ہر خلیے کو لپٹا لپٹا کر پیار کرنے لگی پھر فضل داد کے رؤئیں رؤئیں پر زبانیں اگ آئیں اور وہ چیخنے لگا۔

"یہ زمیندار کا بیٹا ہے۔ مجھے ملاجی نے بھی مارا ہے میرا باپ مر گیا ہے۔ میری ماں بھی مر گئی ہے۔ میرا بھائی بھی۔ میں بھی مر جانا چاہتا ہوں"۔

فرشتے نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا پھر چمٹا کر پیار کیا تو فضل داد کی جلتی ہوئی آنکھوں میں فضل داد اجنبی کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے مدہوش سا چلتا رہا۔

زمیندار کے لہلہاتے ہوئے کھیت آہستہ آہستہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ مسجد کے بلند و بالا مینار بھی دھندلاتے ہوئے آخر کار ہوا میں تحلیل ہو گئے فضل داد چلتا رہا۔ پھر اسے محسوس ہوا جیسے دھوپ کی شدت کم ہونے لگی ہے ہوا کے گرم تھپیڑوں میں اب وہ پہلی سی شدت نہیں رہی۔ پون کا ایک آدھ جھونکا بھی آنے لگا تھا۔

فضل داد کو محسوس ہوا کہ اجنبی اس سے کچھ کہہ رہا ہے اس نے سر کو ایک جھٹکا دیا۔ اجنبی چند قدم کے فاصلے پر ایک خوبصورت سفید عمارت دکھا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دونوں اس عمارت میں داخل ہو گئے۔

یہ عیسائی مشنریوں کا گھر جانا تھا اور اجنبی اس گرجے کا پادری۔ یہاں آکر فضل داد کو پہلی بار محسوس ہوا کہ پیٹ بھر کر کھانا کھانے کے بعد کیسا لگتا ہے اور پورا جسم نرم نرم اجلے کپڑوں سے ڈھکا ہو تو کیا حالت ہوتی ہے! کتنے دنوں تک اس کے پیٹ میں ہلکا ہلکا درد رہا اور کئی ہفتوں تک اس کے پاجامے کے پائنچے ایک دوسرے سے الجھتے رہے۔ یہاں نہ زمیندار تھا نہ اس کا بیٹا۔ ملاجی تھے نہ ان کی چھڑی — یہاں خوبصورت تصویروں والی کتابیں تھیں — کھیلنے کو فٹ بال اور دوسرے بے شمار کھلونے

فضل داد کو اس جنت میں اکثر اپنی ماں یاد آجاتی اور وہ سوچتا جب وہ زندہ تھی تو ہر روز رات کو اسے جنت کی کہانیاں سنایا کرتی تھی۔ سفید کپڑوں میں ملبوس حوریں کھانے کو انگور اور بے شمار دوسرے پھل لیس لے اس جگہ صرف دودھ کی نہریں نظر نہ آئیں۔ اس نے سوچا شاید یہ بات ماں سے کسی نے جھوٹ موٹ ہی کہہ دی تھی۔

فضل داد کو یہاں کی ہر چیز پسند تھی پر جب سارے فادرس اور سسٹرس اور اس کے ہم عمر بچے اسے فضل داد کی بجائے ڈیوڈ کہہ کر پکارتے تو اسے عجیب سا لگتا۔ جیسے گالی ہو جب ماں نے اس کا اچھا بھلا نام فضل داد رکھا تھا تو پھر یہ ڈیوڈ۔ ڈیوڈ کیوں کہتے ہیں؟

وہ ہر بچے کو بتاتا کہ اس کا نام ڈیوڈ نہیں فضل داد ہے لیکن کوئی سنتا ہی نہیں تھا۔ آخر ایک دن تنگ آکر وہ فادر کے پاس جا پہنچا۔ فادر نے اسے دیکھا تو اس کے چہرے پر وہی دل موہ لینے والی مسکراہٹ



ابھر آئی۔

"آؤ ڈیوڈ کیسے آنا ہوا؟"

فضل داد کا حوصلہ بڑھ گیا۔

فادر۔ سب لوگ مجھے ڈیوڈ کہتے ہیں۔ آپ بھی پر میرا نام تو فضل داد ہے"۔ فادر کے چہرے پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ بھک سے اڑ گئی۔ اس نے آنکھیں سکیڑ کر فضل داد کو گھورا شام کے دھندلکے میں فضل داد کو فادر کا سفید لبادہ کچھ گولا گولا سا لگا۔

"اب تمہارا نام فضل داد نہیں ڈیوڈ ہے"۔

فضل داد نے ایک بار پھر جرأت سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"میری ماں مجھے ہمیشہ فضل داد کہتی تھی میرا باپ بھی"۔

فادر کے ماتھے پر بل پڑ گئے اس کے نتھنے پھول گئے۔

"اپنی ماں کو بھول جاؤ۔ وہ مر چکی ہے" فادر دھاڑا

فضل داد مہم کو جلدی سے باہر نکل آیا اور لوٹتے میں سوچنے لگا فادر کا چہرا اس وقت ملاجی اور زمیندار سے کتنا ملتا ہے وہی ماتھے کے بل، وہی پھڑپھڑاتے ہوئے نتھنے۔ اور اس رات فضل داد ایک لمحے کے لئے بھی نہ سو سکا۔

زمیندار، ملاجی اور فادر رات بھر بہروپ بدل بدل کر اسے ڈراتے رہے۔

اب فضل داد کو سب لوگ ڈیوڈ کہہ کر بلاتے تو وہ چپ رہتا لیکن دل ہی دل میں اپنے آپ کو یہ بتاتا نہ بھولتا کہ وہ فضل داد ہے ڈیوڈ نہیں۔ اس کی ماں اسے اس نام سے پکارتی تھی اور اسے اپنی ماں اب بھی اچھی لگتی ہے۔

فضل داد ڈیوڈ کے روپ میں خوبصورت تصویروں والی کتابیں پڑھتا رہا خوبصورت کھلونوں سے کھیلتا رہا لیکن فضل داد رہا ڈیوڈ نہ بن سکا کرسمس کے تہوار پر جب وہ گرجے سے واپس آیا تو نہ جانے اسے کیا سوجھی کہ وہ اپنے بستر پر دوزانو بیٹھ گیا اور رانوں پر ہاتھ رکھ کر ہونٹ ہلانے لگا جیسے نماز پڑھ رہا ہو۔

عین اس وقت اس کا ہم جماعت پیٹر آدھمکا اور اسے حیرانی سے دیکھنے لگا فضل داد ہر بات سے بے نیاز ویسے ہی بیٹھا رہا اور پھر چند لمحوں بعد طوفان آگیا۔ بید اس پر برسنے لگی۔ اس کی کھال چھٹنے لگی۔ اس کے روئیں روئیں میں شدید درد کی ٹیس ڈنک مارنے لگیں پھر احساس مرنے لگا۔ زمیندار، ملاجی اور فادر تینوں آپس میں گڈمڈ اس کے سامنے ناچنے لگے اور پھر فضل داد بے ہوش گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو شدت درد سے اس کی چیخیں نکل گئیں اس نے دیکھا کہ دھوپ خاصی تیز ہو چکی ہے۔ وہ گھسٹتا ہوا ایک درخت کے سائے میں آ گیا۔ دور سامنے گرجے کی سفید عمارت تھی۔ صاف ستھرے لباس میں ملبوس بچے عبادت کے لئے جا رہے تھے آرگن کی مسحور موسیقی دور دور پھیل رہی تھی اور فضل داد اس درخت کے سائے میں پڑا کراہ رہا تھا۔ اس کی چیخیں آسمان کو جھنجھوڑ رہی تھیں۔

ریڈیو پاکستان پشاور

صفحہ ۲۳ سے آگے

ان سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ معاملہ کچھ اور ہی تھا۔ سابق پروگرام پروڈیوسر مس زیتون بانو جو پشتو ادب میں ممتاز مقام رکھتی ہیں اور جو ایک باصلاحیت خاتون تھیں ان کی زبانی ریڈیو کے انتظامی معاملات کے بارے میں جو کچھ معلومات حاصل ہوئی ہیں وہ بڑی شرمناک ہیں اگر ان کی تفصیلات بیان کی جائیں تو شاید ہی کوئی شخص اپنی لڑکیوں کو ریڈیو پر پروگرام کرنے کی غرض سے بھجوانے پر رضامند ہو،

ہماری معلومات کے مطابق زیتون بانو کا قصور یہ تھا کہ وہ اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹر کی پسند و ناپسند کے بجائے مناسب اور نامناسب کے اصولوں پر پروگراموں کے لئے خواتین صداکار منتخب کرتی تھیں۔ اسی جرم کی سزا کے طور پر اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹر صاحب ایک ایک دن میں دو دو مرتبہ ان سے تحریری وضاحتیں طلب کیا کرتے تھے، چنانچہ روز روز کی اس مصیبت سے تنگ آکر انہوں نے ملازمت ہی چھوڑ دی، مس شمیم کا بھی یہی قصور تھا۔ کہ وہ اپنے ہفتہ وار پشتو خواتین کے پروگرام ہی سے واسطہ رکھتی تھیں اور ۲ بجے کے بعد دفتر تشریف لانے کے احکامات کی تعمیل نہ کرتی تھیں چنانچہ وہ بھی پروگرام سے محروم کردی گئیں۔

ریڈیو پاکستان پشاور میں بہت کچھ ہو رہا ہے مگر منافقت کے پردوں میں چھپا ہوا ہے۔ وہ دن اب زیادہ دور نہیں جب یہ پردے اٹھیں گے، اور قوم اپنے خون پسینے کا خراج مانگے گی

سیالکوٹ

"اپنے بچے کو دفنانے کیلئے بھٹو کے پاس جاؤ"

ملک بھر میں مزارعین کی بیدخلیاں، مزدوروں کی چھانٹیاں، طلبا اور دانشوروں پر عتاب کی بجلیاں اور مظلوم عوام پر ڈھائے جانے والے مظالم پاکستان پیپلز پارٹی کے لئے لمحہ فکریہ اور کھلے چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں؟

امتیاز صحرائی

صبح سویرے چند دیہاتی ایک جنازہ اٹھائے سیالکوٹ کے معروف بازار سے گذر رہے تھے، چہرے اُداس اور سہمے ہوئے تھے، رنج والم ٹپک رہا تھا۔ آہ وفغاں جاری تھی۔ دلدوز چیخیں اور دم توڑتی سسکیاں پکار پکار کر پوچھ رہی تھیں کہ غربت کے گناہ کی سزا کب ختم ہوگی۔ یہ مظلوم لوگ ڈپٹی کمشنر کے دفتر جارہے تھے، جنازے میں شریک ایک باریش بزرگ نے بتایا کہ وہ تحصیل پسرور کے گاؤں سلیم کے رہنے والے ہیں یہ جنازہ ایک غریب کے تین سالہ بچے کا ہے گاؤں کے بااثر زمیندار نے بچے کی میت کو گاؤں کے مشترکہ قبرستان پیر بانک شاہ میں دفنانے سے بزور قوت روک دیا۔ اب وہ جنازہ ڈپٹی کمشنر کے دفتر لے جارہے ہیں۔

بچے کی میت کو دفنانے سے کیوں روکا گیا؟ مزید استفسار کرنے پر اس بزرگ نے بتایا کہ بچے کے والدین نے غربت اور افلاس سے نجات حاصل کرنے کے لئے اور پیپلز پارٹی کے "روٹی، کپڑے اور مکان" کے نعرے سے متاثر ہوکر عام انتخابات میں پیپلز پارٹی کے امیدوار کو ووٹ دیا تھا۔ نہ صرف اس بچے کے والدین نے بلکہ گاؤں کے ہر غریب فرد نے استحصال سے نجات پانے کے لئے پیپلز پارٹی کو ووٹ دیا تھا۔ یہ مظلوم عوام ہی تھے جنہوں نے اپنے زمینداروں کی مخالفت مول لیکر پیپلز پارٹی کے امیدوار مولانا کوثر نیازی کو کامیاب کروایا۔ اس جرم کی سزا انہیں اس صورت میں مل رہی ہے کہ زمینداروں نے "باغی" عوام کو طرح طرح سے تنگ کرنا شروع کردیا ہے۔ اب نوبت یہاں تک آگئی ہے کہ میت کو قبرستان میں دفنانے نہیں دیتے اور کہتے ہیں کہ "اپنے بچے کی میت کو دفنانے کے لئے بھٹو کے پاس جاؤ" یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

عام انتخابات میں شکست کھانے کے بعد رجعت پسند زمیندار وسیع پیمانے پر کسانوں کو بیدخل کررہے ہیں

بااثر افراد نے غریب دیہاتی کے بچے کی لاش کو قبرستان میں سپرد خاک کرنے سے روک دیا

سیالکوٹ، ۲۵ر اکتوبر (نمائندہ خصوصی) تحصیل پسرور کے گاؤں سلیم کے میں ایک تین سالہ بچے کی موت آج اس کے غریب والدین کے لئے شدید پریشانی کا باعث بن گئی جب گاؤں کے بعض بااثر افراد نے اس رنجش کی بنا پر بچے کی لاش کو گاؤں کے مشترکہ قبرستان پیر بانک شاہ میں دفنانے سے روک دیا کہ اس کے والدین نے انتخابات میں انہیں ووٹ نہیں دیئے تھے۔ اس پر بیس دیہاتی بچے کی لاش اٹھا کر سیالکوٹ میں ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں لے آئے۔ ڈپٹی کمشنر نے انہیں ایس پی کے پاس بھیج دیا۔ ایس پی کی ہدایت پر پولیس ان دیہاتیوں کے ساتھ گاؤں میں گئی اور اپنی نگرانی میں لاش کو سپرد خاک کرادیا۔ دیہاتیوں نے بتایا کہ چند روز قبل بھی ان کی ایک چار سالہ بچی کی لاش کو دفنانے سے روک دیا گیا تھا۔ اس موقع پر بھی پولیس نے دیہاتیوں کی مدد کی تھی۔

۲۶ر اکتوبر ۱۹۷۱ء کے روزنامہ مشرق کی ایک خبر کا عکس

ملتان کے مزدوروں نے اپنے طبقے سے غداری کرنے سے انکار کردیا

جہان زیب خاں

یونائیٹڈ ٹیکسٹائل ملز قصل آباد ملتان کے ڈیڑھ ہزار مزدوروں کی آٹھ روزہ کامیاب ہڑتال پاکستان کے مزدوروں کی معاشی جدوجہد کی تاریخ میں ایک نئے اور شاندار باب کا اضافہ ہے اور ایک نئے رجحان اور محنت کشوں کے بڑھتے ہوئے طبقاتی شعور کی نشان دہی کرتی ہے۔ ملز مالکان کو آٹھ روز کے بعد آخر کار محنت کشوں کے سامنے جھکنا پڑا۔ کمشنر ملتان کی موجودگی میں ایک معاہدہ ہوا جس کے تحت مزدوروں کو دو ماہ کا بونس، تنخواہ کا دس فیصد کوارٹر الاؤنس اور چند دیگر مطالبات تسلیم کیئے گئے۔

اس ہڑتال کا قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ کوئی ڈیڑھ سال قبل اس ملز کی یونین بھاری اکثریت سے سوداکاری کی ایجنٹ مقرر ہوئی تھی۔ یہ یونین محنت کشوں کے مسائل حل کرانے میں قطعی طور پر ناکام رہی۔ نتیجتاً غیر مقبول ہوگئی۔ مزدوروں نے نہایت حقارت سے یونین کی قیادت کو مسترد کرتے ہوئے اپنے طور پر ہڑتال کردی۔ یونین کے لیڈروں کا یہ عالم تھا کہ وہ ہڑتال کے دوران ہڑتالیوں کے کیمپ میں آنے کی بھی ہمت نہیں کرسکے۔ ہڑتالی مزدور اپنے مطالبات تسلیم کرانے کے لئے آٹھ دن تک شب و روز جدوجہد کرتے رہے۔ نیلدرہ سالہ بچوں سے لے کر ۶۰-۷۰ سالہ بوڑھوں تک نے کئی کئی راتیں جاگ کر ہر دو میل تک پھیلی ہوئی کارخانے کی چاردیواری کے گرد پہرہ دیا کہ کہیں مالکان کی کوئی سازش کامیاب نہ ہو جائے۔ ملز مالکان نے مقامی انتظامیہ اور پولیس کے اعلیٰ حکام سے گٹھ جوڑ کرکے اس ہڑتال کو ناکام بنانے کی کوششیں کیں، دوسری ملوں سے مزدور لاکر کام شروع کرانے کی بھی کوششیں کیں لیکن دوسری ملوں کے محنت کشوں نے اپنے طبقے سے غداری کرنے اور سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں کھیلنے سے انکار کردیا۔ اس علاقے کے کسانوں نے بھی ہڑتالی مزدوروں کی ہر ممکن مدد کی یہ مزدور کسان اتحاد کا ایک مسلمہ ثبوت تھا۔ اس ہڑتال کا سب سے قابل ذکر پہلو یہ ہے۔ کہ ہڑتال کے دوران پولیس کے سپاہیوں نے مکمل غیر جانبداری کا مظاہرہ کیا۔ جبکہ اعلیٰ پولیس حکام ملز مالکان کے ساتھ تھے، پولیس کے سپاہیوں کا یہ کردار پاکستان میں پہلی مرتبہ دیکھنے میں آیا۔ اور یہ اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ پولیس کے نچلے طبقے میں بھی طبقاتی شعور بڑھ رہا ہے۔

ہڑتال کے دوران محمود نواز بابر، اشفاق احمد خان ایڈووکیٹ صاحبزادہ فاروق علی، ملک ممتاز اعوان نے نہایت سرگرمی سے مزدوروں کی جدوجہد میں عملی حصہ لیا۔ محمود نواز بابر نے تو کھانے، پینے اور سونے تک کی پرواہ نہیں

کی اور اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے مزدوروں کے کاموں میں مصروف رہے۔ جمعتہ الوداع کو ایک احتجاجی جلوس نکالنے کا پروگرام تھا۔ جمیعت العلمائے اسلام کے رہنما قاری نورالحق نے جمعہ کی نماز ہڑتالی کیمپ میں پڑھائی۔ احتجاجی جلوس کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ کہ معاہدہ ہو گیا۔ اور مطالبات تسلیم کر لئے گئے چنانچہ یہ احتجاجی جلوس، فتح کے جلوس میں تبدیل ہو گیا۔ دوران جلوس مزدوروں نے محمود نواز بابر اور اشفاق احمد خاں کو اپنے کاندھوں پر اٹھائے رکھا۔

جلوس کے اختتام پر محمود نواز بابر اور اشفاق احمد خان نے مزدوروں سے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم مزدور طبقے کی قیادت تسلیم کرتے ہیں۔ محنت کشوں کو اپنا استاد اور رہنما سمجھتے ہیں۔ کیونکہ انقلاب صرف اور صرف مزدور کی قیادت میں مزدور کسان اتحاد کی بنیاد پر آئے گا۔ یہ انقلاب لوٹ کھسوٹ اور استحصالی نظام، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں اور اس کی محافظ طاقتوں کو نیست و نابود کر دیگا انہوں نے کہا یہ لیٹرے طبقے انقلاب کا بنیادی نشانہ ہیں۔

پشاور

”وقت پر آؤ۔ وقت پر جاؤ“ اور انتظامیہ کا انتقام

جمشید خاں

”نیشنل بنک آف پاکستان کی انتظامیہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت صوبہ سرحد کے ملازمین کو ہراساں کر کے اُن کے حقوق سلب کر رہی ہے۔ ایبٹ آباد برانچ کے چند کارکنوں کو جھوٹے مقدمات میں ملوث کر کے انہیں پولیس کے حوالے کر دیا گیا ہے اور دس کارکنوں کو بغیر ٹھوس جواز کے معطل کر دیا گیا ہے۔ انتظامیہ اس طرح کے ناجائز حربے استعمال کر کے صنعتی امن کو پامال کر رہی ہے اور دانستہ طور پر ایک ایسی خطرناک صورت حال پیدا کر رہی ہے جس سے محنت کشوں میں اشتعال پیدا ہو۔“ یہ انکشاف نیشنل بنک آف پاکستان ایمپلائز یونین شمال مغربی سرحدی صوبے کے سیکرٹری جنرل نے یونین کے ایک ہنگامی اجلاس میں کیا۔ اس اجلاس میں صوبہ سرحد کی تقریباً تمام برانچوں سے ساٹھ نمائندوں نے شرکت کی۔ اجلاس میں بنک کی انتظامیہ کے آمرانہ رویہ سے پیدا شدہ صورت پر غور و خوض کیا گیا۔

سیکرٹری جنرل نے اپنی تقریر میں بنک کی انتظامیہ کی بدعنوانیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے بتایا کہ انتظامیہ یونین کے ساتھ ہونے والے گذشتہ معاہدوں سے انحراف کر چکی ہے صوبہ سرحد کے ملازمین کو بنک کی طرف سے ملنے والی طبی امداد پر بھی پابندی لگا دی گئی ہے اور بنک کے ڈاکٹروں کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ کسی بھی ملازم کو چودہ روپے ماہوار سے زیادہ طبی امداد نہ دی جائے۔ اس طرح انتظامیہ محنت کشوں کی صحت سے کھیل رہی ہے انہوں نے بتایا کہ صوبہ سرحد کے ملازمین کو گذشتہ ایک سال کا اوور ٹائم ابھی تک نہیں دیا گیا۔ ادائیگی کے لئے زور ڈالا گیا تو بنک کی انتظامیہ نے آئندہ کیلئے اوور ٹائم کی ادائیگی کا طریق کار بالکل بند کر دیا۔ اب حالت یہ ہے کہ ملازمین سے روزانہ اوقات کار سے زیادہ کام لیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے گذشتہ دنوں مغربی پاکستان کی ایمپلائز فیڈریشن کی ہدایت پر ملازمین نے ”وقت پر آؤ، وقت پر جاؤ“ کی مہم شروع کی تھی۔ تاکہ انتظامیہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو، بجائے اس کے کہ انتظامیہ اپنی بے انصافیوں کا ازالہ کرتی۔ اس نے ملازمین کے خلاف انتقامی کارروائیاں شروع کر دیں جو اب تک جاری ہیں

سیکرٹری جنرل نے اپنی تقریر کے آخر میں صوبائی گورنر اور صوبائی ہوم سیکرٹری سے پُر زور مطالبہ کیا کہ نیشنل بنک آف پاکستان کی انتظامیہ کی جانب سے جو مظالم کئے جا رہے ہیں ان کی فوری طور پر تحقیقات کرائی جائے۔

ساہیوال

حسن ناصر کی یادگار مینارِ پاکستان کے پاس تعمیر کی جائے

محمد عظیم چوہدری

”۱۳ نومبر اُس عظیم انقلابی کا یوم شہادت ہے۔ جس نے ایوبی آمریت کے سیاہ بادلوں تلے پرولتاری تحریک کے لئے شب و روز کام کیا۔ جس مجاہد کے دل میں نہ آمریت کا خوف تھا اور نہ مادی تقاضے، جس نے پرولتاری انقلاب کے لئے ایسی جدوجہد کی جو آئندہ کی نسلوں کے لئے ہمیشہ مشعل راہ ثابت ہو گی۔ وہ عظیم انسان، عظیم انقلابی اور مزدوروں، کسانوں کا سچا ہمدرد، دوست حسن ناصر تھا جسے گذشتہ گیارہ برسوں سے جنس تجارت سے زیادہ مرتبہ نہیں دیا گیا۔ انقلاب کے کسی بھی ”علمبردار“ نے حسن ناصر کے راستے پر چل کر اس کے مشن کی تکمیل کا عملی مظاہرہ نہیں کیا، ہر ایک نے حسن ناصر کے نام کو ذاتی اغراض و مقاصد کی خاطر استعمال کیا۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ حسن ناصر شہید کے نظریات کو ان کی صحیح روح کے ساتھ پیش کیا جائے اور نظریاتی بنیادوں پر عالمی پرولتاری تحریک کو منظم کیا جائے۔“ ان خیالات کا اظہار گھاس منڈی ساہیوال کے اجلاس ”بیاد حسن ناصر شہید“ میں مختلف مقررین نے کیا۔ اجلاس کی صدارت پیپلز پارٹی کے صدر چوہدری اعجاز حسین اطہر ایڈووکیٹ نے کی اور اسٹیج سیکرٹری کے فرائض محمد عظیم چوہدری نے انجام دیئے۔

چوہدری اعجاز حسین اطہر نے افتتاحی تقریر میں کہا کہ یہ جلسہ عام اس عظیم انسان اور عظیم انقلابی کی یاد میں منعقد کیا گیا ہے جس نے عالمی پرولتاری انقلاب کے لئے جدوجہد کی راہیں متعین کیں، ان پر چل کر ہم دنیا میں پرولتاری انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم نعروں سے علیحدہ رہ کر حسن ناصر کے مشن کی تکمیل کے لئے تن، من دھن کی قربانیاں دیں۔ حسن ناصر کے نظریات و افکار کو غلط معنی پہنا کر بعض موقع پرست نام نہاد انقلابی اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ ایسے خود غرض افراد سے قطع تعلقات کر لینے چاہئیں جو یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ حسن ناصر مسائل کا حل انتخابات قرار دیتے تھے۔

سردار عبدالعلیم (ایم این اے) نے سید حسن ناصر کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہم حسن ناصر سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں حسن ناصر کے افکار پر عمل کرتے ہوئے ہم انقلاب کی راہ اختیار کر سکتے ہیں سردار عبدالعلیم کے بعد لیسکٹ فیکٹری کے مزدور رہنما سید محمد ارشد رضوی نے خطاب کیا اور حسن ناصر کے نقش قدم پر چل کر نظام کہنہ کو بدلنے کے عزم کا اعادہ کیا۔

جلسے سے پیپلز پارٹی ضلع ساہیوال کے صدر راؤ خورشید نے بھی خطاب کیا انہوں نے کہا کہ کتنی افسوس ناک بات ہے کہ ہم نے اپنے عظیم محسن حسن ناصر شہید کو فراموش کر دیا۔ حالانکہ اس عظیم انقلابی نے عوام کے لئے بے مثال قربانیاں دیں۔ کسی کے ہاتھوں فروخت نہ ہوئے۔ وہ اپنے ارادے کے پکے اور مقصد سے لگن رکھنے والے سچے پرولتاری تھے ان کی بے مثال قربانیوں کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی، وہ اس لئے عوام کے دلوں پر آج بھی حکمرانی کر رہے ہیں کہ انہوں نے مزدور تحریک کو سوشلسٹ بنیادوں پر استوار کیا اور مصلحتوں کو چھوڑ کر جدوجہد کی

راہ اختیار کی۔
اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے مطالبہ کیا گیا کہ حسن ناصر شہید کے قاتلوں کو قرار واقعی سزا دی جائے اور حسن ناصر کی یادگار شاہی قلعہ کے باہر مینار پاکستان کے پلاٹ میں بنائی جائے۔ قرارداد میں حسن ناصر کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا گیا کہ "حسن ناصر ان انقلابیوں سے مختلف تھے جو ہنگامی مطلوں کی خاطر سرمایہ داروں سامراجیوں اور استحصالیوں سے مفاہمت کر لیتے ہیں"

لائلپور

قاتل کے گُن گانے والا اس کا سوگ منائے کیوں؟

جاذب سہیل

۱۳- نومبر کو لائل پور سرخ تھا، حسن ناصر کا راستہ ہمارا راستہ "ہماری تمہاری کھلی جنگ ہے" "ایشیا سرخ ہے" اور "ہمارا نگر تمہارا نگر ہشت نگر ہشت نگر" کے فلک شگاف نعروں سے در و بام ہل رہے تھے، سہ پہر کو استبدادی قوتوں کے حریف، سامراج دشمن اور راہِ وفا کے عظیم شہید حسن ناصر کی گیارھویں برسی کے موقع پر "حسن ناصر کمیٹی" کے زیر اہتمام ایک جلسہ عام ہوا۔ یہ کمیٹی سامراج دشمن اور عوام دوست مزدوروں کسانوں، طالب علموں اور دانش وروں پر مشتمل تھی،
اس اجتماع میں پنجاب یونین آف جرنلسٹس کے جنرل سیکرٹری حسین نقی، عوامی شاعر حبیب جالب، حزیں لدھیانوی، مختار رانا ایم این اے کے علاوہ لائلپور کے مزدوروں، عوام اور طلبہ نے بھاری تعداد میں شرکت کی صدارت کی کرسی پر لائل پور کے مشہور اور پرانے مزدور رہنما بابا غلام رسول فائز تھے اور اسٹیج سیکرٹری کے فرائض مزدور کسان پارٹی لائل پور کے سیکرٹری جنرل غلام نبی کلّو نے انجام دیئے۔
اس اجتماع میں ارشاد چوہدری نے "حسن ناصر عہد بہ عہد" کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا جس میں انہوں نے کہا کہ حسن ناصر شہید ایک فرد کا نام نہیں بلکہ ظلم و استبداد اور آمریت کے خلاف نبرد آزما ہونے والی ایک توانا تحریک کا نام ہے۔ ایسی تحریک کا جو ہر دور، ہر عہد اور ہر زمانے میں وحشت و بربریت اور استحصال کے خلاف مظلوموں کے حق میں عوامی لہو سے پروان چڑھتی رہی حسن ناصر شہید انسانی صداقتوں کی وہ تاریخ ہے جو سرمایہ داری اور جاگیرداری کے ہر دور میں دہرائی گئی اور ابدیت کی لوح پہ رقم ہوتی رہی حسن ناصر ظلم اور جبر کے ہر دور میں طاغوتی طاقتوں سے ٹکراتا رہا۔ وہ سپارٹکس سقراط، اینجلس، بھگت سنگھ، "الف خاکس گیبرل پیری، جیولیس فیوچک، ٹروپا، وان ترائے چی گویرا، مہدی بن برقہ کے روپ میں ظلم کے آہنی پنجوں سے نبرد آزما رہا اور انسانی آسودگی کی تحریک کی آبیاری اپنے جوان لہو سے کرتا رہا اور اس وقت تک کرتا رہے گا، جب تک دھرتی پر اندھیروں اور لٹیروں کا راج ہے
ارشاد چوہدری کے بعد ایک ننھی منی بچی تبسم کوثر نے حسن ناصر شہید سے متعلق حبیب جالب کی یہ نظم پڑھ کر سامعین کو گرمایا ؎

قاتل کا گن گانے والا اس کا سوگ منائے کیوں؟
راہزن بن کر آنے والا راہنما کہلائے کیوں؟

جلسے سے حسین نقی، مختار رانا، شمیم احمد خاں غلام نبی کلّو، مسکین بدر چوہدری شوکت اور ستار حیدر نے خطاب کیا، مقررین نے حسن ناصر کے انقلابی کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے بورژوا سیاست کے کرخت اور بھیانک چہرے سے نقاب کشائی کی انہوں نے کہا کہ ایوبی آمریت نے حسن ناصر کو شہید کر کے مزدور کسان تحریک کو روکنے کی ناکام کوشش کی تھی مگر آج مزدور کسان تحریک ہشت نگر کی شکل میں توانا تحریک بن چکی ہے جس نے جاگیرداروں، خوانین، اجارہ دار سرمایہ داروں نوکر شاہی اور سامراجی ایجنٹوں کی نیندیں حرام کر دی ہیں، ملک بھر کے مزدور کسان اور محنت کش عوام جگہ جگہ حسن ناصر کے انقلابی افکار اور شعور کے پرچم لئے میدان عمل میں نکل آئے ہیں رجعت پسند استحصالی قوتیں مزدوروں کسانوں اور طالب علموں کی انقلابی جدوجہد سے بوکھلا کر مکر و فریب اور ریاکاری کے حربوں پہ اُتر آئی ہیں۔ مگر آج کا پرولتاری طبقہ اتنا باشعور ہو چکا ہے کہ اسے "انتخابی ڈھونگ" بندوقوں کی گھن گرج سے نہیں روکا جا سکتا۔ مزدوروں اور کسانوں نے حسن ناصر کے انقلابی راستے کو پہچان لیا ہے۔ اب وہ پرولتاری انقلاب کے سرخ پرچم تلے آگے بڑھ رہے ہیں اور اب منزل پہ ہی پہنچ کر دم لیں گے۔
آخر میں عوامی شاعر حبیب جالب نے حسن ناصر شہید کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔

ٹوبہ ٹیک سنگھ

آپ کا مشن مرتے دم تک جاری رکھیں گے

طارق سعید

۱۳ نومبر ۱۹۷۱ء کو عظیم انقلابی رہنما حسن ناصر شہید کی گیارھویں برسی پر نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن ٹوبہ ٹیک سنگھ کے زیر اہتمام ایک جلسہ منعقد ہوا، جلسے کی صدارت این ایس ایف، ٹوبہ ٹیک سنگھ کے صدر اور میونسپل ڈگری کالج یونین کے صدر راجہ غلام مرتضےٰ نے کی پیپلز پارٹی کے رہنما چوہدری محمد اسلم (ایم این اے) مہمان خصوصی تھے۔
چوہدری محمد اسلم نے حسن ناصر شہید کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ حسن ناصر بین الاقوامی پرولتاری تحریک کے عظیم قائد تھے وہ مزدور کسان راج کے پرچارک تھے آج ہشت نگر کے کسان حسن ناصر کی بتلائی ہوئی راہ پر گامزن ہیں اور ان کی فتح یقینی ہے۔" این ایس ایف کے نائب صدر مسٹر خلیل احمد نے کہا کہ حسن ناصر سچے پرولتاری رہنما تھے۔ وہ اس ملک میں مزدور کسان راج چاہتے تھے اسی جرم میں ایوبی حکومت نے انہیں شہید کر دیا۔
این ایس ایف کے جنرل سیکرٹری مقصود احمد نے اپنی تقریر میں حسن ناصر کے مشن کو مرتے دم تک جاری رکھنے کا عزم کیا۔ صاحب صدر نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ حسن ناصر کو اس لئے شہید کر دیا گیا کہ وہ پاکستان میں پرولتاری طبقے کی حاکمیت چاہتے تھے، وہ کہتے تھے کہ مسائل ووٹ سے حل نہیں ہوتے، جدوجہد ہی مسائل کا حل ہے۔ حکمران طبقہ اسی لئے ان کا جانی دشمن تھا۔

الفتح

سینڈوز پاک

ایمپلائز یونین کے انتخابات

اقبال احمد خاں

سینڈوز (پاک) ایمپلائز یونین کا سالانہ اجلاس گذشتہ دنوں منعقد ہوا جس میں ۷۲-۱۹۷۱ء کے لئے ان عہدیداران کا انتخاب کیا گیا۔ گل حسین خان صدر، ظہور احمد، نائب صدر، مسز شائستہ پی میمن نائب صدر، ایس ایس حسین نقوی جنرل سیکرٹری، محرم خان جتوئی جوائنٹ سیکرٹری مس نگہت آرا، جوائنٹ سیکرٹری، مس نسیم سوشل سیکرٹری شمشیر خان سوشل سیکرٹری، ایس علی اظہر رضوی خازن، اقبال احمد خان آفس سیکرٹری، مس نسرین مہتاب آفس سیکرٹری، مس شاہدہ شیخ پروپگنڈا سیکرٹری، حسن علی پروپگنڈا سیکرٹری اور مشتاق احمد، عمر خان، ناز ملک، راجہ محمد حنیف، غلام رسول بلوچ، میاں جان شاہ اور مس زہرہ بربال اراکین مجلس عاملہ منتخب ہوئے۔

ٹنڈوالہ یار میں

کالج قائم کیا جائے

غلام رسول خاں

ٹنڈو الہ یار تعلیمی لحاظ سے کچھ ضرورت سے زیادہ ہی بدنصیب ثابت ہوا جب کہ یہ مسئلہ حقیقت ہے کہ ایسے علاقوں اور تعلقوں کی ترقی کے لئے خصوصی اقدامات کئے جانے چاہئیں جو اطراف سے چھوٹے چھوٹے دیہاتوں سے گھرے ہوئے ہوں اور اس تلخ حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہمارے ملک کی ۸۰ فی صد آبادی دیہاتوں میں مقیم ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ تعلیمی ترقی صرف بڑے شہروں تک محدود ہے؟ آیئے چند لمحوں کے لئے ان اعداد و شمار کا مطالعہ کریں جو ہمارا منہ چڑا رہے ہیں۔

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں

زندگی روشنی

حسین رفیق

زندگی زندگی پُرخطر پُرخطر
زندگی میں نہیں مشکلوں سے مفر
ہر نفس موت ہے ہر قدم مات ہے
تا بہ حدِ نظر بحرِ ظلمات ہے
کیا کہوں کس طرح زندگی ہے رواں
ہر نفس ہر قدم اک نیا امتحاں
ہر نفس اِک نیا جذب کامل لیے
ہر قدم دل میں مایوسیاں گھر لیے
ہے نظر کا کبھی آسمانوں میں گھر
اور کبھی پستیوں پر جمی ہے نظر
کیسے رنگین خیالوں کا گھر زندگی
کیسے بدروح خوابوں کا گھر زندگی
زندگی میں کبھی صرف تاریکیاں
زندگی میں کبھی سحر کی سرخیاں
زندگی وحشت ہے، خار ہے، دھول ہے
زندگی باغ ہے، شاخ ہے، پھول ہے
زندگی بغض ہے، جبر ہے، قہر ہے
زندگی پیار ہے، لطف ہے، مہر ہے
زندگی عقل ہے، ہوش ہے، جوش ہے
زندگی جہل ہے، لاش بر دوش ہے
زندگی بزدلوں کے لیے زندگی!
ہر نفس، ہر قدم، ایک شرمندگی
زندگی اہل ہمت کو ہر ہر گھڑی
سہل ہے، مہمل ہے ہو وہ کتنی کڑی
الغرض اے رفیقِ غم زندگی
ہو غم زندگی میں وہ تابندگی
خود جسے دیکھ کر کہہ اُٹھے موت بھی
زندگی روشنی، روشنی زندگی

ریسلنگ فیڈریشن کے کھلاڑیوں کے بین الاقوامی پاسپورٹ ضبط کر لئے گئے

کھیل

کھیل کی تنظیموں سے

چند چودھریوں کی چودھراہٹ ختم کی جائے

لطافت علی صدیقی

کھیل کے پیشہ ور عہدیداروں اور وڈیروں کے نام پھر سے اخبارات میں نظر آنے لگے ۱۵ دن قبل پاکستان پیپلز پارٹی کے لیڈ اور ٹسٹ کرکیٹر آفتاب گل کی قیادت میں کھیل کے ایک وفد نے گورنر پنجاب لفٹیننٹ جنرل عتیق الرحمان سے ملاقات کی۔ اس وفد میں پاکستان ویسٹرن ریلوے کے ایسے باکسر، پہلوان اور کھلاڑی بھی شامل تھے۔ جنہیں انتقامی کارروائی کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ وفد نے گورنر کو کھیل پر مسلط نوکر شاہی کی ان غیر قانونی سرگرمیوں کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ جس کی وجہ سے اس ملک کے کھیل کا مستقبل تقریباً تباہی کے کنارے پہنچ چکا ہے۔

پہلوانوں نے گورنر کو یہ بھی بتایا کہ پاکستان ریسلنگ فیڈریشن کے سیکرٹری مسٹر نقی بٹ نے انہیں غیر قانونی طریقہ سے معطل کر دیا ہے۔ انہوں نے گورنر کو اس بات سے بھی آگاہ کیا کہ مسٹر نقی بٹ نے ریسلنگ فیڈریشن پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے۔ وہ اس فیڈریشن کے ذریعہ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور یہ کاروبار کئی سالوں سے چلا رہے ہیں۔ ریلوے کے پہلوانوں نے انکشاف کیا کہ ریسلنگ فیڈریشن نے ان کے بین الاقوامی پاسپورٹ ضبط کر لئے ہیں۔ کھیل کی تاریخ میں شاید اپنی نوعیت کا پہلا افسوسناک واقعہ ہو۔

مسٹر محمود بٹ جو باکسروں کی نمائندگی کر رہے تھے، انہوں نے گورنر کو بتایا کہ مسٹر انوار چودھری جو ایک غیر ٹکنیکل آدمی ہیں باکسنگ کی قومی اور بین الاقوامی تنظیموں کے چودھری بن بیٹھے ہیں وہ اپنی چودھراہٹ کے ۲۰ سال پورے کر چکے ہیں اور قومی خرچے پر تقریباً پوری دنیا کا تین مرتبہ دورہ بھی کر چکے ہیں۔

پنجاب کے گورنر نے وفد کی باتوں کو ہمدردی اور غور سے سنا اور خطاکاروں کے خلاف کارروائی کا یقین دلایا۔

اسی وفد نے ایک ہفتہ بعد پنجاب کے چیف سیکرٹری سے بھی ملاقات کی۔ اور انہیں اپنے مسائل اور پیشہ وروں کی کھیل دشمن سرگرمیوں سے آگاہ کیا۔ گفتگو کے دوران ایک کھلاڑی نے یہ بھی بتایا کہ گذشتہ سال پہلوانوں کو ٹرین کے ذریعہ سفر کرایا گیا۔ جب کہ یہ نام نہاد عہدیدار خود بذریعہ طیارہ تہران پہنچے تھے۔ کیا یہ بات ناجائز نہیں ہے اور کیا اس طرح کھلاڑیوں کا استحصال نہیں کیا جا رہا ہے؟ چیف سیکرٹری نے بھی اس بات کا یقین دلایا کہ وہ کھیل میں غلط روایات کے خاتمے کی ہر طرح سے کوشش کریں گے

دوسرے دن اخبارات میں خبر شائع ہوئی کہ پیشہ ور عہدیداروں کے ایک وفد نے بھی گورنر کے پنجاب سے ملاقات کی اور کھیل کے معیار کو بلند کرنے کے سلسلے میں گفتگو کی۔

عہدیداروں کی طرف سے خطرہ کو ٹالنے کا یہ ایک پرانا ہتھکنڈہ ہے۔

اس دوران مزید چند حقائق کا بھی انکشاف ہوا مثال کے طور پر کھیل کے پیشہ ور زیادہ سے زیادہ رقم جمع کرنے کے سلسلے میں متحد رہتے ہیں۔ انہوں نے چند سال قبل سے ایک سفری ایجنسی قائم کر رکھی ہے جو صرف کھلاڑیوں کی آمدورفت کا انتظام کرتی ہے یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ اس ایجنسی کے ذریعہ باہر جانے والے پیشہ ور عہدیدار ہی سفر کے اخراجات اور ایجنسی کی کمیشن کا تعین اور اجازت دیتے ہیں۔ اس بات کا خیال رہے کہ یہ ایجنسی انہی کی ہے۔

یقیناً یہ روپیہ بٹورنے کا ایک اچھا طریقہ ہے

یہ ہماری بڑی بدقسمتی ہے کہ تمام حالات سے واقف ہونے کے بعد بھی حکومت نے ان کی بیخ کنی کا ابھی تک معقول انتظام نہیں کیا۔ جب کہ مختلف اخبارات میں ان کی دھاندلیوں کے بارے میں پردہ چاک ہوتا رہا ہے۔ پیشہ ور عہدیداروں کا ایک گروپ، ٹریول ایجنسی کے مالکان درحقیقت گذشتہ ۲۰ سالوں سے کھیل کی تنظیموں کے مطلق العنان حکمران بنے بیٹھے ہیں ان کا جو جی چاہتا ہے وہی کرتے ہیں۔ اور عام طور پر وہ وہی کام کرتے ہیں جس سے انہیں مالی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

کیا کھیل کے ان قاتلوں کا حساب نہ ہو گا یقیناً ہو گا۔ اور اب وہ زیادہ عرصہ تک دہ اپنی مرضی مسلط نہیں رکھ سکتے۔

اس ہفتہ کی اہم خبریں

بھارتی فوج پسپا کر دی گئی

ڈھاکہ ۲۱ نومبر۔ پاکستانی فوج نے جیسور کی سرحدوں پر بھارت کی دو بریگیڈ پیدل فوج اور ٹینک رجمنٹ کا حملہ پسپا کر کے حملہ آوروں کے سات ٹینک تباہ کر دیئے اس محاذ پر بھارتی فوج نے اپنے بکتر بند دستہ کے ساتھ پاکستانی مورچوں پر زور دار حملہ کیا تھا۔ مگر اسے ناکامی ہوئی۔

مشرق وسطیٰ اور جنگ

قاہرہ ۲۱ نومبر۔ صدر انوار السادات نے کہا کہ اب مشرق وسطیٰ کے مسئلے کے پرامن تصفیے کی قطعاً کوئی امید باقی نہیں رہی۔ اور جنگ کا وقت آپہنچا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ امریکہ کو مطلع کر دیا گیا کہ اس وقت تک دوبارہ بات چیت نہیں ہو سکتی۔ جب تک اسرائیل مقبوضہ علاقہ خالی نہ کر دے۔

نور الامین پر مسٹر بھٹو کی نکتہ چینی

کراچی ۲۱ نومبر: چیئرمین مسٹر بھٹو نے کہا کہ متحدہ پارلیمانی پارٹی کے لیڈر مسٹر نور الامین نے قومی مسائل کے بارے میں منفی رویہ اختیار کیا ہے۔ اور بعض نازک مسائل پر بحث چھیڑ دی ہے میں ان سے نہیں ملوں گا۔

مشرقی پاکستان میں جنگ جاری ہے

ڈھاکہ ۲۲ نومبر: بھارت نے مشرقی پاکستان پر تین طرف سے حملہ کر دیا ہے، جیسور کے محاذ پر بھارتی حملہ میں فضائیہ نے بھی حصہ لیا، بھارتی طیاروں نے پاکستان کے تین گاؤں پر گولہ باری کر کے جان و مال کو نقصان پہنچایا۔ ان حملوں کی ناکامی کے بعد توقع ہے کہ دشمن نئے محاذ کھولے گا۔

مائیکل عفلاق کی سزا منسوخ

دمشق ۲۲ نومبر: شام کے صدر حافظ الاسد نے ایک حکم کے ذریعے عرب بعث پارٹی کے بانی مائیکل عفلاق کی سزائے موت منسوخ کر دی۔ انہیں حکومت کے خلاف سازش کرنے کے الزام میں یہ سزا سنائی گئی تھی۔

ریزرو فوجیوں کو طلب کر لیا گیا

راولپنڈی ۲۴ نومبر: ایک خاص حکم کے ذریعہ ریزرو فوجیوں کو ڈیوٹی پر طلب کر لیا گیا۔ فوجیوں کی چھٹیاں منسوخ کر دی گئیں

صرف اور صرف نمائندہ حکومت

گجرات: ۲۴ نومبر: مسٹر بھٹو نے ایک بڑے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ صرف حقیقی نمائندہ حکومت ہی ملک کے موجودہ بحران پر قابو پا سکتی ہے۔

میں کٹھ پتلی حکومت برداشت نہیں کرونگا

راولپنڈی ۲۵ نومبر: پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر بھٹو نے کہا کہ وہ کسی کٹھ پتلی حکومت میں شریک نہ ہوں گے صرف عوام کے حقیقی نمائندہ ہی اس بحران کو حل کر سکتے ہیں۔

آٹا اور شکر غائب ہو گیا۔

کراچی ۲۵ نومبر: مشرقی پاکستان میں حالیہ جنگ کی وجہ سے عام اشیاء کی قیمتوں میں زبردست اضافہ ہو گیا۔ بازار سے آٹا اور شکر غائب ہے۔ عوام سخت پریشانی میں مبتلا ہیں۔

نیپ پر پابندی لگا دی گئی

راولپنڈی ۲۶ نومبر: صدر یحییٰ نے نیشنل عوامی پارٹی کے تمام دھڑوں پر پابندی عائد کر دی۔ انہوں نے ایک بیان میں کہا کہ نیپ علیحدگی کی مہم چلا رہی تھی۔ اور اس کی سرگرمیاں ملک دشمن تھیں۔ خان قیوم نے اس پابندی کا خیر مقدم کیا۔

اردن کے وزیر اعظم قتل کر دیئے گئے

قاہرہ ۲۸ نومبر: قاہرہ میں اردن کے وزیر اعظم وصفی طل کو ایک ہوٹل کے سامنے قتل کر دیا گیا۔ وہ یہاں عرب لیگ کی دفاعی کونسل کے اجلاس میں شرکت کیلئے آئے ہوئے تھے

متحدہ محاذ کا جلسہ عام

کراچی ۲۹ نومبر: متحدہ پارلیمانی پارٹی کے زیر اہتمام ایک جلسہ عام ہوا جس میں بھارتی جارحیت کے خلاف قرارداد منظور کی گئی۔ جلسے سے نور الامین اور دوسرے لیڈروں نے خطاب کیا۔



قارئین کہتے ہیں

مولوی فرید احمد صاحب سُن لیں

امریکی سامراج کے ایجنٹ مسٹر بھٹو نہیں۔ نورالامین ہیں

فرید صاحب، آپ کی حالیہ کتاب "ابر آلو سورج" کے کچھ اقتباسات پڑھے۔ آپ نے جو نتیجے نکالے ہیں ان میں یہ باتیں سرے سے لغو اور غلط ہیں نمبر ا غیر ملکی طاقتیں بھٹو کو سرمایہ فراہم کر رہی ہیں نمبر ۲ بھٹو سی۔ آئی اے کے ایجنٹ ہیں نمبر ۳ بھٹو صاحب کے شیریں قادر سے مراسم تھے۔

نمبر ا سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون سی غیر ملکی طاقتیں بھٹو کو سرمایہ فراہم کر رہی ہیں؟ امریکہ، جی. نہیں، امریکہ تو بھٹو سے خائف ہے اگر بھٹو برسر اقتدار آگئے تو وہ چین کے ساتھ مل کر امریکی سامراج کا سر کچل دیں گے۔ برطانیہ کیا برطانیہ میں اتنے کس بل رہ گئے ہیں کہ وہ عالمی سیاست میں توڑ جوڑ کرے۔ وہ تو بوڑھا ہو چکا ہے برطانیہ ہرگز مسٹر بھٹو کی پشت پناہی نہیں کر سکتا اب رہا فرانس تو فرانس غیر جانبدار ہے۔ روس بھٹو دشمنی میں مشہور ہے، کیونکہ مسٹر بھٹو نے معاہدۂ تاشقند کی دھجیاں اڑا دی تھیں۔ نمبر ۲۔ بھٹو سی آئی اے کے ایجنٹ نہیں ہیں۔ خود مسٹر فرید احمد نے اس کی دلیل دی ہے کہ امریکہ کو بھٹو سے دلچسپی نہیں ہے نمبر ۳ بھٹو کے شیریں سے مراسم نہیں تھے۔ کیونکہ آپ نے خود فرما دیا ہے کہ شیریں سی آئی اے کی ایجنٹ ہے اور امریکہ بھٹو میں دلچسپی نہیں لیتا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر امریکی سامراج کا ایجنٹ کون ہے؟ تو اس کا جواب بھی سن لیں۔ نورالامین۔ امریکہ چاہتا ہے کہ نورالامین توڑ جوڑ کر کے پاکستان کے وزیر اعظم بن جائیں اور بھٹو کو حکومت سے باہر رکھ کر امریکی روسی سازشں کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے شروع میں جب نورالامین سے کہا گیا تھا کہ وہ متحدہ مسلم لیگ کے صدر بن جائیں تو انہوں نے کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ "اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں" لیکن اب جب ان کے چمچوں نے شور مچایا کہ وزیر اعظم مشرقی پاکستان کا ہونا چاہیئے۔ تو انہوں نے نیم رضامندی سے سر ہلانا شروع کر دیا۔ یہاں تک پریس میں الٹے سیدھے بیانات کی مہم بھی شروع کر دی۔

قومی اسمبلی میں پاکستان جمہوری پارٹی کا واحد نمائندہ اب مستقبل کے وزیر اعظم بننے کا خواب دیکھ رہا ہے آخر یہ سب کچھ کس کی ایما پر ہو رہا ہے وہ کون ملک ہے جو خاموشی سے گھنٹی کے تار ہلائے جا رہا ہے۔ مولوی فرید احمد صاحب کان کھول کر سن لیجئے، امریکی سامراج اور سی آئی اے کے ایجنٹ مسٹر بھٹو نہیں ہیں بلکہ نورالامین اور متحدہ محاذ میں شامل جماعتوں کے پھٹے پرانے لیڈر ہیں

(منظور احمد نواب شاہ)

کیا ہی اچھا ہوتا
کہ فیض کا مرثیہ
بھی شامل کر لیتے

ہفت روزہ الفتح کے آغاز سے میں اس مؤقر جریدہ کا خریدار ہوں ذوق و شوق پڑھتا ہوں اور دوسروں کو بھی بلاناغہ پڑھوانا فرض عین سمجھتا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس پرآشوب دور میں یہ پرچہ خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان ہونے کے معیار پر یقیناً پورا اتر رہا ہے۔ حسن ناصر شہید کی یاد میں اس کی اشاعتِ خاص لاہور میں ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے اپنی آنکھوں سے دیکھی ؎

پردہ ہزار لاکھ کینۂ شمر و یزید کا
چھپتا نہیں جلال تمہارے شہید کا

میرے عزیز دوست خالد علیگ کی لکھی ہوئی نظم تو اس شمارہ کی جان ہے خصوصاً یہ شعر ؎

پیشانی پہ چولوں کے جو نیلے سے نشان ہیں
اِس ملک کی تہذیب پہ وہ مرثیہ خواں ہیں

کچھ بھی ہو آج نہیں تو کل اس خونِ ناحق پر سے پردہ اُٹھ کر ہی رہے گا۔ جیسا کہ شاعر عوام جناب حبیب جالب نے بجا کہا ہے ؎

خونِ حسن ناصر کا بدلہ لیں گے اک اک قاتل سے
دُور نہیں کر سکتا کوئی ہم کو اپنی منزل سے...

حسن ناصر شہید پر محترمی فیض صاحب کا کہا ہوا مرثیہ بھی اس اشاعت میں شامل کر لیا جاتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ خیر پھر سہی

دبیر ۱۸/A ٹیمپل روڈ۔ لاہور

ہم غریبوں کے لئے
کون سی جگہ ہے

میں ایک مزدور ہوں اور الفتح ہر ہفتے پڑھتا ہوں اور ہر ہفتے بڑی پریشانی سے اس کا انتظار کرتا ہوں۔ عرض یہ ہے کہ تھانہ آرام باغ کا ایک ہیڈ محرر مجھے بہت تنگ کرتا ہے اور میرے خلاف جھوٹے مقدمے بنوا رہا ہے۔ ابھی بھی میرے خلاف ایک مقدمہ اس نے کورٹ میں داخل کیا ہے جس کی تاریخ ۲۳ ۱۱/۷۱ مقرر ہوئی ہے۔

میں ایک غریب آدمی ہوں میرے پاس مقدموں کے لئے اتنی رقم نہیں ہے اور میرا کوئی آدمی بھی نہیں ہے، جو مجھے اس پریشانی سے نجات دلائے میں نے ایک درخواست میر رسول بخش تالپور اور دوسری درخواست اس علاقے کے منتخب رکن قومی اسمبلی کو روانہ کی ہے میں چکوال کا رہنے والا ہوں بہت غریب اور پریشان حال ہوں مجھے امید ہے کہ آپ اپنے غریب دوست کے یہ چند سطور اپنے ہفت روزہ میں شائع کر دیں گے

عبدالرشید۔ جنیس کالونی۔ لانڈھی

بقیہ: بھارت کی انقلابی تحریکیں

بھارت ۷،۸ اضلاع میں یہ تحریک کامیابی سے جاری ہے۔

نکسل باڑی تحریک کا مقصد کسانوں کے لئے زمینیں حاصل کرنا نہیں بلکہ اس کا مقصد جاگیرداروں، زمینداروں گماشتہ سرمایہ داروں اور نوکرشاہی کے ظالمانہ سیاسی اقتدار کا تختہ الٹ کر پرولتاری راج اور عوامی جمہوری آمریت قائم کرنا ہے۔ نکسل باڑی تحریک کی کامیابیوں کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ دن دور نہیں جب بھارتی استحصالی طبقوں کو نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ اور عوامی جمہوریت کا سرخ آفتاب طلوع ہوگا۔ اس طرح عظیم رہنما چیرمین ماؤ کی یہ پیشین گوئی۔ "آزادی چین کی طرح آزاد ہندوستان ایک دن دنیا میں سوشلسٹ اور عوامی جمہوری برادری کے ایک رکن کی حیثیت سے نمودار ہوگا۔ اس دن انسانی تاریخ میں سامراجی رجعت پسندی کے دور کا خاتمہ ہوگا۔" پوری ہو جائے گی۔

بقیہ: بھارت اور پاکستانی عوام

جان بوجھ کر کمزور کرنا چاہتے ہیں پاکستان کے جیالے عوام جہاں سرحدوں پر بھارتی توسیع پسندوں کے ناپاک منصوبے کو خاک میں ملائیں گے۔ وہاں محنت کش عوام کے پیٹ میں خنجر گھونپنے والوں کا بھی صفایا کریں گے"

اس سروے سے چند حقائق سامنے آتے۔

• چھوٹی یا بڑی جنگ کی صورت میں عوام بھارتی توسیع پسندوں سے ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔

• اب کی بار عوام دونوں محاذ پر اپنے دشمنوں کو منہ توڑ جواب دینے کے لئے بھرپور انداز میں تیار ہیں وہ بھارت کی جارحیت اور اندرونی دشمنوں سے نمٹنے کے لئے کمربستہ ہیں۔

• جنگ میں توسیع کا امکان ہے۔

• سرمایہ دار اور بڑے دکاندار موجودہ صورتحال سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں مصروف ہیں۔

• جنگ سے حتیٰ الامکان بچا جائے، اگر جنگ ناگزیر بن جائے تو پھر بھارتی حملوں کا بھرپور جواب دیا جائے عوام اس کے لئے تیار ہیں۔

• خورد و نوش کی چیزوں پر قیمتیں بڑھا دی گئیں دکانوں پر چھاپے مارے جائیں اور چور بازاری کرنیوالوں کو عبرتناک سزائیں دی جائیں۔

بقیہ: ہنزہ سے چاٹگام تک

ہائی اسکولوں میں ۵ ہزار سے زائد طالب علم ہیں۔

ٹنڈو الہ یار حیدرآباد تعلیمی بورڈ کی جانب سے امتحانی مرکز ہے ظاہر ہے کہ یہ شہر بورڈ کی وہ تمام بنیادی شرائط پوری کرتا ہے جو ایک امتحانی مرکز کے لئے ہونا ضروری ہیں۔

• ٹنڈو الہ یار کے ڈاک خانہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کے ۲۲ برانچ آفس ہیں کیا ڈاک خانے کے حکام بے وقوف ہیں جنہوں نے بغیر وجہ کے اتنے سارے ڈاک خانے کھول رکھے ہیں؟

• اس تعلقہ کی آمدنی ساٹھ لاکھ روپے کے لگ بھگ ہے۔ جس سے اس کی افادیت اور بڑائی کا اندازہ ہوتا ہے۔

• سجاول، عمر کوٹ ٹنڈو جان محمد وغیرہ میں جہاں کی آبادی ٹنڈو الہ یار سے کم ہے اور یہاں دسویں جماعت کے لئے بورڈ کے سنٹر بھی نہیں ہیں کالج قائم کئے جا سکتے ہیں۔ تو ٹنڈو الہ یار کے ساتھ یہ ناانصافی کیوں برتی جا رہی ہے؟

میں بحیثیت طالب علم اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ میٹرک کی تعلیم کے بعد صرف کالج نہ ہونے کی بنا پر اس تعلقہ کے تقریباً ۹۵ فی صد طلبہ اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ سکتے۔ اس طرح ملک و ملت کتنے ہی ذہین لوگوں سے محروم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ہر طالب علم حیدرآباد جا کر تعلیم حاصل کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ بالفاظ دیگر ٹنڈو الہ یار میں کالج نہ ہونے کی وجہ سے اس علاقے میں تعلیم امرا اور وڈیروں کے لئے مخصوص ہو گئی ہے۔

ان اعداد و شمار کی روشنی میں صوبائی گورنر اور تعلیمی حکام سے استدعا ہے کہ وہ ٹنڈو الہ یار میں گورنمنٹ سائنس و آرٹس کالج کے قائم کرنے کے احکامات صادر کریں، تاکہ علم کا خزانہ بڑے شہروں سے نکل کر قریہ قریہ پھیل سکے اور عوام تعلیم سے روشناس ہوں اس مسئلے کا سب سے بہترین حل یہ ہے کہ گورنمنٹ ہائی اسکول کی زیر تعمیر دو منزلہ عمارت میں ۷۳-۱۹۷۲ء کے تعلیمی سال کے لئے کم از کم سائنس کالج آزمائشی طور پر کھول دیا جائے۔ جس سے حکومت مزید عمارت کے اخراجات سے بھی بچ جائے گی۔

۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس تعلقے کی آبادی ایک لاکھ پانچ ہزار ۷۵۶ ہے صرف ٹنڈو الہ یار کی آبادی سترہ ہزار ہے آج دس سال بعد اس کی آبادی کیا ہوگی؟ اس کا اندازہ ماہرین تعلیم ہی اس اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اس وقت یہاں کے پندرہ

بقیہ: خانِ اعظم معافی خان

ناقابل معافی ہیں۔ غفار خاں کے قدموں میں بیٹھ کر قیوم خان نے کہا کہ خدائی خدمت گاروں اور ان کے کے خلاف جو کچھ ہوا اس کی ذمہ دار مرکزی حکومت پر تھی اور جب ڈاکٹر خان صاحب مغربی پاکستان کے وزیر اعلیٰ تھے تو لاہور ہائی کورٹ میں دفعہ ۱۲۴ الف کے تحت غفار خان پر مقدمہ چلایا گیا جسٹس شبیر احمد کی عدالت میں خان قیوم نے ایسا بیان دیا جس سے غفار خان کو فائدہ پہنچا۔

اور پھر جب ایوب خان نے مارشل لاء کے تحت انہیں تین سال قید با مشقت کی سزا دی گئی تو موصوف نے ایوب خان سے تحریری معافی مانگی سیاست سے کنارہ کش ہونے کا اعلان کیا۔ اور لکھا "میں صدق دل سے آپ سے معافی کا طلب گار ہوں۔ ۔ ۔ ۸۰۰ ۲ نومبر ۶۲ء کو ڈپٹی کمشنر ملتان کے توسط سے آپ کی خدمت میں رحم کی درخواست ارسال کر چکا ہوں" دیکھا آپ نے کہ "شیر سرحد" کس طرح قالین کا شیر بن گیا اور عوام کو ایک آمر مطلق کے حوالے کر کے سیاست سے کنارہ کش ہونے کا اعلان کر دیا۔

۱۹۶۵ء کے صدارتی انتخابات اور ۱۹۶۸ء میں ایوبی آمریت کے خلاف عوامی تحریک کے دوران "قالین کا شیر" گوشہ عافیت سے باہر نہیں آیا۔ طلبا اور عوام گولیاں کھاتے رہے۔ قوم کا درد اس کے دل میں نہیں اٹھا۔ لیکن جب ۱۳ مارچ ۱۹۶۹ء کو ایوب خان نے گول میز کانفرنس کے اختتامی اجلاس میں دو مطالبات منظور کر لئے تو قالین کا شیر "چند نعرے بازوں کو جلو میں لئے پھر اقتدار کی بندر بانٹ میں حصہ لینے کے لئے میدان سیاست میں آ گیا۔

اب نوبت یہاں تک آ گئی ہے کہ اقتدار کی ہوس میں ۱۲ نومبر ۱۹۷۱ء کو ملتان میں عوام کے مسترد کئے ہوئے نواب زادہ نصر اللہ خان کے گھٹنوں کے ہاتھ لگائے اور پاؤں پر جھک گیا۔

- Candid and scientific
- Voice of the oppressed millions
- Exposé of palace intrigues rat race and gruesome exploitation

details to be announced later

weekly

الفتح

al-fatah

ENGLISH EDITION

starting with the **NEW YEAR**

٢-٩ دسمبر ١٩٧١م

الفتح

Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
2-9, DECEMBER, 1971



HAQQI OFFSET PRESS, LIAQUATABAD, KARACHI